اسلام اور تصویرِ کائنات میں رنگ

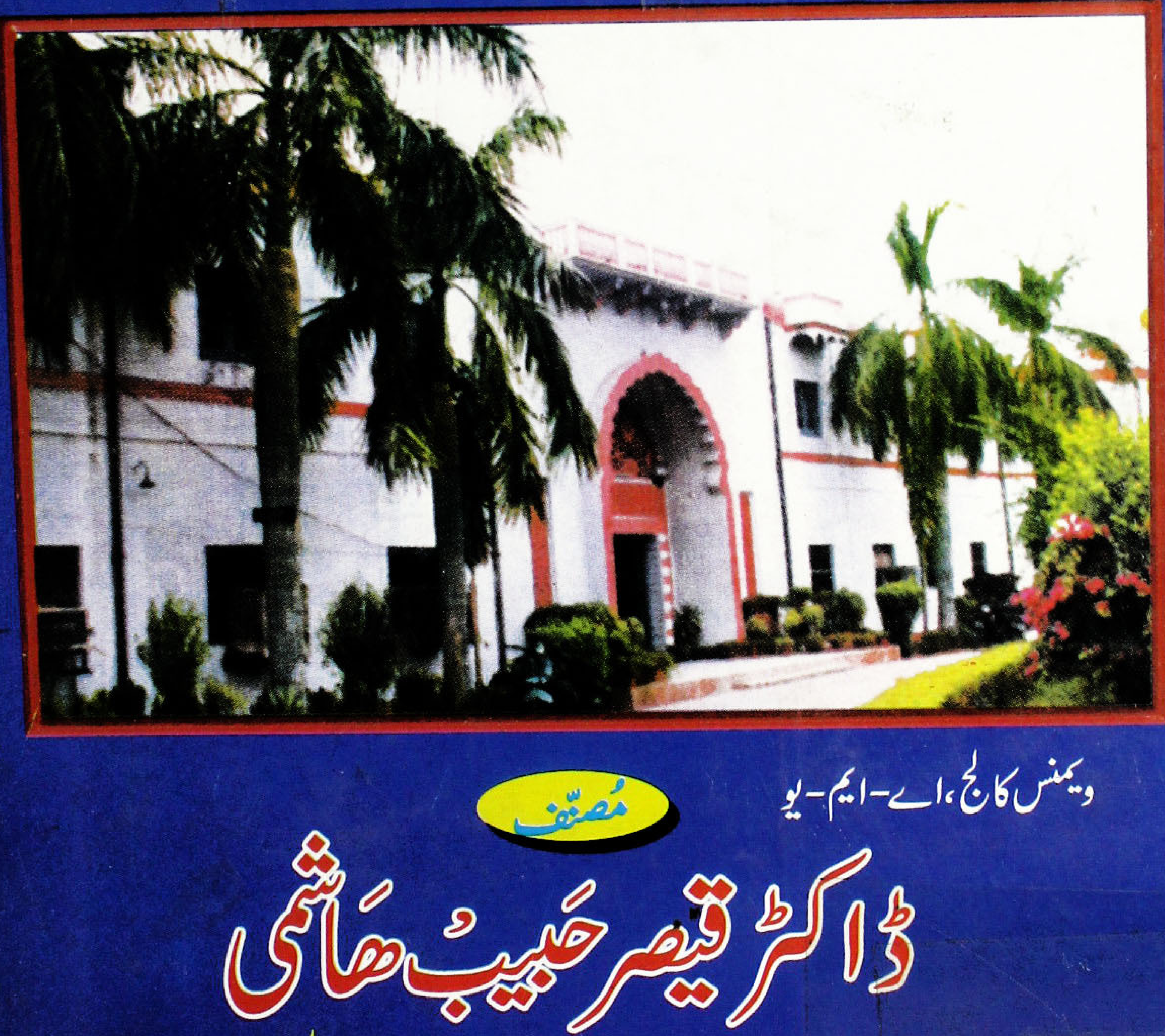

ویمنس کالج، اے-ایم-یو

مصنّف

ڈاکٹر قیصر حبیب ہاشمی

ریڈر شعبۂ دینیات، ویمنس کالج

علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ، یوپی

اسلام

اور

تصویر کائنات میں رنگ

مصنف

ڈاکٹر قیصر حبیب ھاشمی
ریڈر شعبہ دینیات، ویمنس کالج
علی گڑھ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ
یوپی، ہندوستان

297.04
185

جملہ حقوق، بحق ناشر محفوظ

نام کتاب	:	"اسلام اور تصویر کائنات میں رنگ"
نام مصنف	:	ڈاکٹر قیصر حبیب ھاشمی
سنہ اشاعت	:	ذوالحجہ ۱۴۲۷ھ/جنوری ۲۰۰۷ء
کتابت	:	الائٹ کمپیوٹرز، دودھپور، علی گڑھ
مطبع	:	قاضی پبلشرز، نئی دہلی
قیمت	:	۷۵ روپے

ملنے کے پتے:

☆ ڈاکٹر قیصر حبیب ھاشمی، 4\1275، سرسید نگر علی گڑھ، یو پی انڈیا

Ph. No: 2502483

☆ ایجوکیشنل بک ہاؤس، شمشاد مارکیٹ، علی گڑھ، ۲۰۲۰۰۲

☆ اردو بازار مٹیا محل، دہلی-۶

انتساب

اپنے بھائی محترم سید حبیب رضا ھاشمی- مقیم ممبئی

بہن سیدہ زیب النساء ہاشمی- مقیم پاکستان

اور

پھوپھی صاحبہ سیدہ میمونہ خاتون ھاشمی کے نام

ان کی محبت وخلوص اور دعائیں ہمیشہ میرے ساتھ رہیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

صِبْغَةَ اللہ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللہ صِبْغَةً وَّ نَحْنُ لَهُ

عٰبِدُوْنَ (البقرہ:۱۳۸)

(کہہ دو کہ ہم نے) اللہ کا رنگ (اختیار کر لیا ہے) اور اللہ سے بہتر

رنگ کس کا ہو سکتا ہے، اور ہم اسی کی عبادت کرنے والے ہیں۔

رنگ دو سارے جہاں کو فی رنگ رب العالمین

پھر لگا دو گوٹ رنگ رحمت اللعلمین

فہرست مضامین

مقدمہ	الف
پیش لفظ	ر
تقریظ	س
۱-اسلام میں عورت کی معاشی حیثیت	۱
۲-ہندوستان کی جنگ آزادی اور مسلم خواتین	۹
۳-حجاب اور آزادی نسواں	۱۶
۴-مسلم معاشرہ اور مسلمہ کا عقد ثانی	۲۳
۵-مسلم خاتون اور فن سپہ گری	۲۸
۶-ایک سے زیادہ کب اور کیوں؟	۳۴
۷-تقویت نسواں تعلیم وہنر سے	۴۰
۸-مومنات کی جماعت اور امامت	۴۹
۹-اسلام ہی نے خواتین کے اعتماد کو جگایا	۵۵
۱۰-مسلم پرسنل لا طلاق اور نفقہ	۶۲
۱۱-بڑا تحفہ ہے احتیاط سے آراستہ کیجئے	۷۰
۱۲-انسانی صحت اور اسلام	۷۷
۱۳-کھیل و تفریح اور اسلام	۸۵
۱۴-مٹی کی مہک	۹۱

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدمہ

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِی عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ وَاللهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ (البقرہ:۲۲۸)۔

''اور عورتوں کا حق (مردوں پر) ویسا ہی ہے جیسے دستور کے مطابق (مردوں کا حق) عورتوں پر ہے البتہ مردوں کو عورتوں پر (کچھ درجہ) فضیلت ہے۔ اور اللہ غالب صاحب حکمت ہے''۔

اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا ''خَيْرُكُمْ خَيْرُكُمْ لِأَهْلِهِ وَأَنَا خَيْرُكُمْ لأَهْلِي'' (ترمذی، ابن ماجہ)۔

''تم میں اچھا انسان وہ ہے جو اپنی بیوی کے حق میں سب سے اچھا ہے اور میں ﷺ اپنی بیویوں کے لئے تم سب میں بہتر ہوں۔ قرآن کریم اور احادیث شریفہ کے مطابق ماں کا حق باپ سے تین گناہ زیادہ ہے۔ تمام رشتوں میں مرد پر سب سے زیادہ حق اس کی ماں کا ہے۔

قرآن کریم اور فرمان رسول ﷺ سے ثابت ہے کہ اسلام نے عورت کو ایک مستقل وجود تسلیم کیا ہے۔ اعمال کی بنیاد پر جزاء اور سزا کے سلسلے میں مرد وزن بالکل برابر ہیں کوئی فرق نہیں۔

فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ أَنِّی لَا أُضِيعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ مِنْ ذَكَرٍ أَوْ أُنْثَى بَعْضُكُمْ مِنْ بَعْضٍ فَالَّذِينَ هَاجَرُوا وَأُخْرِجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ وَأُوذُوا فِي سَبِيلِي وَقَتَلُوا

وَقُتِلُوْ لَاُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَلَاُدْخِلَنَّهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ثَوَابًا مِّنْ عِنْدِ اللهِ وَاللهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الثَّوَابِ (ال عمران:۱۹۵)۔

''تو ان کے رب نے ان کی دعا قبول کرلی کہ میں کسی عمل کرنے والے کے عمل کو مرد ہو یا عورت ضائع نہیں کرتا۔ تم ایک دوسرے کی جنس ہو۔ تو جو لوگ میرے لئے وطن چھوڑ گئے اور اپنے گھروں سے نکالے گئے اور ستائے گئے اور لڑے قتل کئے گئے میں ان کے گناہ دور کردونگا اور ان کو بہشتوں میں داخل کروں گا جن کے نیچے نہریں بہ رہی ہیں۔ اللہ کے یہاں بدلہ ہے اور اللہ کے یہاں اچھا بدلہ ہے''۔

حقوق نسواں کا اس حد تک احساس دلایا گیا کہ بات صرف تحریر و تقریر تک نہ رہے، اللہ کے رسول ﷺ نے خود عمل کر کے امت کے لئے نمونہ حیات فراہم کیا اور اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے اسوۂ حسنہ کے مطابق زندگی گزارنے کی ہدایت قرآن کریم میں فرما کر اس امر کو مومنین کے لئے واجب قرار دیا۔

رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کرام نے بڑے ذوق وشوق کے ساتھ آپ ﷺ کے نمونہ حیات کو اپنی زندگیوں میں اتارا اور دوسرے لوگوں کے لئے عملی مثالیں قائم کیں۔ پرخلوص محبت اور قربانی میں عظمت اور بلندی ہے اللہ کو چاہنے والے بندوں میں یہ صفات بدرجہ اتم موجود ہوتی ہیں۔ رب العالمین کے ہر حکم کی طرح اس حکم کو بھی نہایت محبت کے ساتھ سینے سے لگایا اور آج بھی عمل کے ہر حکم کی طرح اس حکم کو بھی نہایت محبت کے ساتھ سینے سے لگایا اور آج بھی عمل پیرا ہیں جو حقیقتاً عبداللہ ہیں اس کے سچے بندے ہیں۔

وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ (النساء:۱۹)۔

''اور ان کے (اپنی عورتوں کے) ساتھ بھلے طریقے سے رہو''۔

اللہ تعالیٰ نے مرد کا درجہ بلند کیا اس کو قوام بنایا اسی کے ساتھ اس کو بہت سی ذمہ داریاں بھی دیں جو عورت کو نہیں دیں۔ پورا کلام پاک دھیان سے پڑھئے تو معلوم ہوتا ہے کہ مرد پر عورت کے حقوق زیادہ ہیں مقابلتاً۔

اسلام نے عورت کو کام کرنے اور اپنی دولت کو جائز حدود میں آزادی سے خرچ کرنے

اور بڑھانے کا حق دیا ہے۔ مرد اپنی دولت مند بیوی سے یہ نہیں کہہ سکتا کہ میں تمہارا خرچ برداشت نہیں کرونگا کیونکہ تم تو خود ہی اتنی مالدار ہو۔ نفقہ مرد پر ہی واجب رہے گا۔

مومنین کو چاہئے کہ بیٹی کی ولادت پر خوشی کا اظہار کریں تا کہ اہل جاہلیت کی سوچ اور عمل پر ضرب کاری لگے، کیونکہ کافروں اور مشرکوں کا طریقہ یہ تھا۔

وَاِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِالْاُنْثٰى ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا وَّهُوَ كَظِيْمٌ (النحل - ۵۸)

''اور جب ان میں سے کسی کو بیٹی (کی ولادت) کی خبر ملتی ہے تو اس کا منہ (غم سے) کالا پڑ جاتا ہے''۔

اس کتاب کے تمام مضامین میں خواتین کی خانگی، معاشی، معاشرتی، سپہ گیری اور سیاسی زندگی سے متعلق ہیں۔ کسی بھی قوم کی بقاء زندگی کے اعلیٰ مقاصد سے وابستہ ہوتی ہے۔ وسائل کا صحیح استعمال اسی وقت ہوسکتا ہے جب مومنین اور مومنات میں محسن کی صفات ہوں۔

بَلٰى ۃ مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَهٗٓ اَجْرُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ (البقرہ:۱۱۲)۔

''ہاں جو شخص اللہ کے آگے گردن جھکا دے اور وہ نیکو کار بھی ہو تو اس کا صلہ اس کے پروردگار کے پاس ہے اور ایسے لوگوں کو نہ کسی طرح کا خوف ہوگا اور نہ وہ غمناک ہونگے''۔

صحیح سمت میں جدوجہد کا جاری رکھنا اسلام کی تعلیمات میں سے ہے۔ مسلمات کے لئے ضروری ہے کہ اقامت دین کے لئے خوش گوار انداز میں خلوص اور جوش کے ساتھ اٹھ کھڑی ہوں تا کہ نئی نسل کو صالح نظام اور پاکیزہ مستعد ماحول میں رہنے کا موقع مل سکے۔

مومنات اگر اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی تعلیمات کے رنگ میں رنگ جائیں تو یقیناً قوم کی بیش بہا دولت ہیں۔ وطن اور ملت کو سربلند کرنے اور عروج کو برقرار رکھنے میں درکار بہادر شہری بھی ہیں۔

اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

قال رسول الله ﷺ الدنیا متاع وخیر متاع الدنیا المراۃ الصالحۃ (مسلم)۔

’’پوری دنیا متاع ہے اور دنیا کی بہترین متاع نیک عورت ہے‘‘۔

آج کل اکثر مسلم خواتین کافروں اور مشرکوں کی ظاہرہ چمک سے چکا چوند ہو رہی ہیں۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ یہ ظاہرہ چمک سراب ہے، دھوکہ ہے۔ خود اُن کی زندگی اصلی دمک اور سکون سے بالکل خالی ہے نہ اُن کے پاس آب ہے نہ تاب ہے۔

لَا یَغُرَّنَّکَ تَقَلُّبُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْفِی الْبِلَادِ مَتَاعٌ قَلِیْلٌ ثُمَّ مَا وٰھُمْ جَھَنَّمُ وَبِئْسَ الْمِھَادُ لٰکِنِ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا رَبَّھُمْ لَھُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِھَا الْاَنْھٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْھَا نُزُلاً مِّنْ عِنْدِ اللہِ وَمَا عِنْدَ اللہِ خَیْرٌ لِّلْاَبْرَارِ (آل عمران:۱۹۸-۱۹۶)۔

’’کافروں کا شہروں میں چلنا پھرنا تجھے دھوکہ نہ دے۔ (یہ دنیا کا تھوڑا سا فائدہ ہے۔ پھر (آخرت میں) تو ان کا ٹھکانا دوزخ ہے اور وہ بری جگہ ہے۔ لیکن جو لوگ اپنے پروردگار سے ڈرتے رہے ان کے لئے باغ ہیں جن کے نیچے نہریں بہ رہی ہیں ان میں ہمیشہ رہیں گے اللہ کے یہاں ان کی مہمانی ہے اور جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ نیکو کاروں کے لئے بہت اچھا ہے‘‘۔

ہم سب کو اسی تعلیم کو لے کر چلنا ہے تا کہ نونہالوں کو پاک وصاف اسلامی فضا کی مہک سے معطر گو دنصیب ہو سکے قرآن کریم کی ضیا اور اعمال صالحہ کا رنگ ان کی شخصیت کو چار چاند لگا دے اور وہ تمام عالم کے لئے فیض بخش ثابت ہوں۔

قیصر حبیب ہاشمی

اے۔ ایم۔ یو، علی گڑھ، یو پی

جنوری ۲۰۰۷

ر

''پیش لفظ''

ڈاکٹر قیصر حبیب ہاشمی کی تازہ ترین تخلیق ''اسلام اور تصویر کائنات میں رنگ'' ان کے شوق کے راستے پر اٹھنے والا وہ نیا قدم ہے جس سے ان کے تحقیقی ذوق وصلاحیت کا بیّن ثبوت ملتا ہے۔ اسلامیات کے مطالعہ نے انھیں اسلامی ضوابط اور اعمال کے مختلف زاویوں کا بغور جائزہ لینے کی لگن عطا کی۔ تاہم ان کی تحقیقات کا محور بہر طور اسلام کا عملی پہلو رہا ہے، جو قرآن میں پیش ہوا ہے اور صدیوں سے مستعمل ہے۔

بعض اوقات مذہبی خیالات وقت کی گرد میں دھندلاتے ہوئے نظر آتے ہیں کیونکہ یہ سمجھا جاتا ہے کہ ان پر عمل کرنے کا مروجہ طریقہ دراصل صدیوں سے چلی آرہی روایت کی تقلید ہے۔ علاوہ ازیں، اس عقیدے کی بنیادی روح سے دن بدن بڑھتی دوری اور ان کی عجلت میں کی گئی غلط توضیح وتشریح کا نتیجہ بہت سے غلط فیصلوں اور مسخ شدہ نظریات کی شکل میں نمودار ہوا اور ہوتا رہتا ہے۔ بد قسمتی سے ان غلط نظریات کے وجود میں آنے سے اس عقیدے کے اور دوسرے عقائد کے حامل افراد کے فکر وعمل دونوں متاثر ہوتے ہیں۔

ڈاکٹر ہاشمی نے اپنے مطالعہ کو تین مختلف زاویوں سے پرکھا ہے۔ ان کی تحقیق کا نتیجہ اسلامی دینیات کی طالبہ اور اسلام کے بنیادی سانچے سے بخوبی واقف محقق کے نظریات ہیں۔ ڈاکٹر حبیب کے مزاج کی اضافی خوبی ذہنوں میں اٹھنے والے بنیادی سوالات کا تسلی بخش اور معروضی حل تلاش کرنا ہے۔ وہ بیک وقت ایک باعمل مفکر، بہترین استاد اور ایسے دانشور کا کردار

ادا کرتی ہیں جو وقت طلب امور کی سلیس اور جامع عقیدہ کشائی کرتا ہے۔

ڈاکٹر قیصر حبیب ہاشمی کی مذکورہ کتاب میں بنیادی طور پر دو انتہائی اہم موضوعات کا احاطہ کیا گیا ہے۔ اسلام اور عورت، وہ اسلامی تعلیمات کے دائرے میں رہتے ہوئے عورت کو اپنا ایک تعمیری تشخص اور مثبت انفرادیت عطا کرتی ہیں۔ اس کتاب میں انھوں نے معاشرتی، معاشی، سماجی اور سیاسی سطح پر عورت کی کارکردگی سے بحث کی ہے اور اس بات کو واضح کیا ہے کہ اسلام کے بنیادی ارکان عورت کو بہترین مقام اور اختیارات دیتے ہیں۔

ان کے دیگر کارناموں اور دلچسپیوں سے آگاہ احباب بخوبی واقف ہیں کہ ان کا قلم اسلام کے بنیادی احکامات کی روشنی میں عورت کے مقام سے متعلق بہت سے وسوسوں کو رفع کرتا ہے۔ اس کے ساتھ ہی ان کی تحریریں ان کے قارئین بالخصوص عورتوں کو آگاہی اور خوداعتمادی عطا کرتی ہیں۔

ڈاکٹر حبیب کا انداز تحریر سادا، رواں اور مدلل ہے۔ یقیناً ان کی کتاب بہت متاثر کن اور مذہب سے متعلق بہت سی غلط فہمیوں کا ازالہ کرنے کا ایک مستند اور معتبر ذریعہ ہے۔

پروفیسر آمنہ کشور
پرنسپل ویمنس کالج
علی گڑھ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ، یوپی، انڈیا

تقریظ

''وجودِ زن سے ہے تصویرِ کائنات میں رنگ''

علامہ اقبالؒ کے اس مصرع کا مفہوم اور خاص طور پر اس کی عصری معنویت کو مؤلفہ نے اس خوبی سے اپنی اس تالیف میں پیش کرنے کی کوشش کی ہے کہ قاری تھوڑی دیر کے لئے حیرت زدہ سوچنے لگتا ہے۔

کیا علامہ کے اس شعر کو ان نسوانی خوبیوں اور صلاحیتوں کے درمیان بھی دیکھا اور سمجھا جا سکتا ہے، ڈاکٹر قیصر حبیب ہاشمی جو ایک کہنہ مشق مضمون نگار اور صاحبہ تصنیف ہیں اپنی اس تازہ کتاب میں مسلم خاتون کا تعارف اس انداز سے کرانا چاہتی ہیں کہ اسلامی آغوش کی پروردہ خاتون صرف چراغ خانہ نہیں، وہ اپنی مذہبی حدود میں رہ کر تصویرِ کائنات میں ہر طرح کا رنگ بھی بھر سکتی ہے، وہ کارگہ حیات میں اپنے فکر و عمل کا لوہا منوا سکتی ہے، وہ حقیقت میں ایک معمار انسانیت ہے، کیونکہ وہ ایک مفکرہ بھی ہے مدبرہ بھی، عالمہ بھی معلّمہ بھی، محبہٴ وطن بھی مجاہدہٴ آزادی بھی۔ اگر گھر گھرستی اور افزائش نسل کے فطری مشاغل اور ذمہ داریاں اس کی دسترس میں ہیں، تو معاشی ترقی، فنِ سپہ گری، تجارت اور زراعت کے کارناموں میں بھی اس کا بھرپور حصہ ہے۔

اس کتاب کے مضامین تقریباً تیرہ عنوانات پر مشتمل ہیں جو سب کے سب نئی نسل کے ذہنوں میں پیدا ہونے والے مختلف سوالات کے جواب میں پرمغز مواد پیش کرتے ہیں، نیز موجودہ دور میں اسلام دشمن عناصر کی طرف سے جو وقتاً فوقتاً نئے سوالات اٹھا کر نوجوان نسل کے ذہنوں کو پراگندہ کرنے کی کوشش کی جاتی ہے ان کے معقول اور مدلل جوابات دیئے گئے ہیں، مثلاً

آپ نے ایک عنوان قائم کیا ہے ''اسلام نے خواتین کے اعتماد کو جگایا ہے'' اس کے تحت فرماتی ہیں کہ اسلامی حدود کی وجہ سے غیر مسلم خواتین مسلمان مردوں سے شادی کرنے کی خواہشمند ہوتی ہیں اس لئے کہ مسلم شوہر کا دل مقابلتاً نرم ہوتا ہے، وہ آخرت کی جوابدہی سے ڈرتا ہے اور عام طور پر ایک ہی بیوی رکھتا ہے، اس کے علاوہ عام طور پر مسلمان مردوں کی شب گزاری اپنے گھر پر ہی ہوتی ہے، نشہ اور دوسری سماجی واخلاقی برائیوں سے مسلمانوں کی اکثریت بچی ہوئی ہے۔

ان کے علاوہ ابھی کچھ دن قبل کسی ملک میں مسلمان عورت سے امامت کروا کر نیا فتنہ پیدا کرنے کی کوشش کی گئی تھی تاکہ مردوں اور عورتوں میں مساوات کا ایک شوشہ چھوڑا جا سکے، مگر ذی ہوش مسلمانوں نے اس فتنہ کو پھیلنے سے روک دیا۔ مولفہ نے اس موضوع پر قلم اٹھا کر واضح کر دیا کہ خواتین کی گھر میں محتاط جماعت جائز ہے مردوں کی امامت قطعاً جائز نہیں ہے نہ ہی عورت کی فطری مجبوریوں کی بنا پر قرین قیاس ہے۔

محترمہ ڈاکٹر قیصر حبیب ہاشمی صاحبہ کی ایک نمایاں خوبی یہ ہے کہ وہ اپنی قدامت پسندی کے پہلو میں ذھن جدید کا گوشہ بھی رکھتی ہیں اسی لئے انھوں نے ۲۰۰۵ء میں ایک ضخیم کتاب تحریر فرمائی ''اسلامی شریعت اور ملکی ترقی'' اس میں آپ نے جملہ اسلامی عقائد اور عبادات کو تقریباً ساٹھ عنوانات میں پیش کر کے پہلے عمومی قارئین اور طلبا وطالبات کو عقائد اور عبادات میں پختہ کرنے کی سعی فرمائی، اور اب موجودہ کتاب تصویر کائنات میں اسلام کی جدید تعلیمات سے آراستہ کرنے کی بھرپور کوشش کی ہے، اس کا مطلب یہ ہوا کہ مولفہ اپنی گراں قدر تحریروں کی روشنی میں جدید وقدیم کا ایک سنگم ہیں۔

اللہ تعالیٰ آپ کی ان مساعی جمیلہ کو قبولیت سے نوازے اور ان کتابوں سے لوگ بیش از بیش مستفید ہوں۔ آمین

مورخہ: ۲۸/۱/۲۰۰۷ء

پروفیسر بدرالدین الحافظ

سابق صدر شعبہ عربی بنارس ہندو یونیورسٹی، بنارس۔

''اسلام میں عورت کی معاشی حیثیت''

اسلام سے پہلے عورت کی معاشی حیثیت نہایت کمزور تھی، بعض قوموں میں ابھی تک یہی حال ہے کبھی وہ دان کی جاتی ہے اور اکثر میراث سے محروم رہتی ہے۔ ۱۹۸۵ء تک اس کا باپ کی جائداد میں کوئی حصہ نہ تھا۔ آزادی کے بعد بھی کئی سال تک شوہر کی جائداد سے محروم رہتی تھی لیکن اسلام نے عورت کی معاشی حیثیت کو مستحکم بنایا۔

عورت پر معاشی ذمہ داری عائد نہیں کی گئی۔ اولاد والدین شوہر کسی بھی رشتہ دار کی معاشی کفالت کرنا اس کی ذمہ داری نہیں ہے۔

وراثت میں عورت کا حق مقرر کیا گیا۔ والدین اور رشتہ دار کے ترکہ میں اس کا حق لازمی قرار دیا گیا ہے:

لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُونَ وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ اَوْ كَثُرَ نَصِيباً مَّفْرُوْضاً (النساء:۷)۔

''جو مال ماں باپ اور رشتہ دار چھوڑیں تھوڑا ہو یا بہت اس میں مردوں کا بھی حصہ ہے اور عورتوں کا بھی یہ حصے لازم کئے گئے ہیں''۔

قدرت نے عورت کو صنف نازک بنایا ہے اور ساتھ ہی اسے قوت تولید کی عظیم ذمہ داری بھی عطا فرمائی ہے اس لئے وہ حمل ولادت اور رضاعت جیسے ادوار سے گذرتی ہے۔ اس لئے پروردگار نے واجب نہیں کیا کہ وہ اپنی معاش کے لئے مجبوراً کام کرے۔ اگر عورت پر اپنا

والدین، اولاد اور شوہر کا نفقہ واجب ہوتا تو یقیناً عملی زندگی میں بڑی دقتوں اور کاوشوں کا سامنا کرنا پڑتا۔

لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ اسلام عورت کے لئے معاشی جدوجہد کو بالکل ممنوع قرار دیتا ہے، اور اسے صرف معاشی حقوق پر قناعت کرنے کا حکم دیتا ہے۔ اسلامی تعلیمات کے مطابق اگر عورت معاشی سرگرمیوں میں حصہ لینا چاہے تو ضرور لے سکتی ہے۔ یہ بھی ایک مسلم حقیقت ہے کہ عورت کی اولین توجہ کے مستحق اس کے بچے خود اس کی ذات کی حفاظت اور شوہر ہیں۔ اسلامی حدود کو مدنظر رکھتے ہوئے عورت اپنی قوت وصلاحیت علم و دانش کو صرف کر کے حالات و مواقع کے لحاظ سے جائز ذریعہ معاش اختیار کر سکتی ہے۔ اسلام اس پر پابندی عائد نہیں کرتا۔

عورت اسی طرح اپنی دولت کو تمام نفع بخش کاموں میں لگا سکتی ہے۔ اس سے ہونے والی آمدنی اسی کی ہوگی۔ اس کا دعوی کوئی دوسرا نہیں کر سکتا۔ زور زبردستی کر کے اس کی دولت کا اصراف کرنے والا کوئی بھی ہو غاصب کہلائے گا اور گناہ گار ہوگا۔ ہاں اپنی رضامندی اور خوش دلی سے مل جل کر گھر اور بچوں کی دیکھ ریکھ میں خرچ کرنا یہ الگ بات ہے بلکہ بھلی بات ہے کیونکہ اس سے خوش آئند ماحول کا تصور ابھرتا ہے۔

اسلام نے عورت کی جدوجہد کو صرف علم وفکر کے میدان تک محدود نہیں رکھا بلکہ اس کی پرواز عمل کے لئے ایک وسیع فضا اور ماحول عطا کیا۔

کتب سیر اور احادیث شریفہ سے ثابت ہے کہ ام المومنین بی بی خدیجہؓ تجارت کرتی تھیں اور ملکہ تجارت کے لقب سے جانی جاتی تھیں۔ ایک بار رسول اللہ ﷺ کی نگرانی میں مال تجارت ﷺ بھیجا بہت فائدہ ہوا۔ آپ ﷺ کی امانت داری اور دیانتداری سے متاثر ہوئیں اور جناب خدیجہؓ کا نکاح جناب نبی کریم ﷺ سے ہوگیا۔ ایسی ایک روایت بھی نہیں ملتی کہ نکاح کے بعد رسول اللہ ﷺ نے جناب خدیجہؓ کو تجارت سے روکا ہو یا ناپسندیدگی کا اظہار کیا ہو۔

دوراول کی خواتین کی عملی سرگرمیوں نے قطعی اور یقینی ثبوت فراہم کر دیے ہیں کہ انہوں نے امو خانہ داری کے ساتھ ساتھ دوسری مصروفیات اندرون خانہ و بیرون خانہ جاری رکھیں اور اسلام کبھی ان میں حائل نہیں ہوا۔

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریمؐ نے فرمایا:

"بے شک اللہ تعالیٰ تمہیں اپنی ضروریات کے لئے گھر سے باہر جانے کی اجازت دیتا ہے"۔ (ترمذی)

حضرت جابر بن عبداللہ سے روایت ہے کہ ان کی خالہ نے عدت کے دوران اپنے کھجور کے چند پیڑ کاٹنے اور فروخت کرنے کا ارادہ کیا تو ایک صاحب نے سختی سے منع کیا۔ یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں استفسار کے لئے گئیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا۔ کھیت جاؤ اور اپنے کھجور کے درخت کاٹو۔ اس رقم سے بہت ممکن ہے کہ تم صدقہ اور خیرات یا اور کوئی بھلائی کا کام کرسکو اس طرح یہ تمہارے لئے اجر آخرت کا سبب ہوگا (بخاری، مسند احمد)۔

سہل بن سعد ایک اور خاتون کا ذکر کرتے ہیں جو چقندر کی کھیتی کیا کرتی تھیں۔

عمرہ بنت طبیخ کہتی ہیں کہ ایک مرتبہ اپنی لونڈی کے ساتھ بازار جاکر میں نے مچھلی خریدی اور اس کو جھولے میں رکھا لیکن تھیلا چھوٹا ہونے کی وجہ سے مچھلی کا سر اور دم باہر نکلے ہوئے تھے۔ حضرت علی کا ادھر سے گذر ہوا، پوچھا کتنے میں خریدی ہے۔

خواتین تجارت کے مسائل کو بخوبی جانتی تھیں اور بعض مسائل معلوم کرنے کے لئے حضور کی خدمت میں حاضر ہوتی تھیں۔

حضرت عمرؓ کے دور خلافت کا ذکر ہے کہ اسماء بنت مکرمہ کو ان کے بیٹے عبداللہ بن ابی ربیع یمن سے عطر روانہ کرتے تھے اور وہ اس کا کاروبار کرتی تھیں۔

مذکورہ واقعات سے ظاہر ہے کہ کسب معاش طبقہ حال ہی کے لئے مخصوص نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے عورت کے لئے جہاد فرض نہیں کیا مگر اسے عورت پر حرام بھی نہیں کیا۔ اس کی تائید

حدیث کے اس واقعہ سے بھی ہوتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ عبادہ بن صامت کے گھر آرام فرمارہے تھے کہ اچانک مسکراتے ہوئے بیدار ہوئے۔ ام حرامؓ نے وجہ مسرت دریافت کی تو بتایا کہ خواب میں مجھے میری امت کے وہ بلند مرتبہ افراد دکھائے گئے جو خدا کی راہ میں جہاد کے لئے سمندر کا سفر کریں گے جس کا اجر اتنا بڑا ہے کہ وہ جنت میں بادشاہوں کی طرح تخت نشین ہوں گے۔ ام حرامؓ نے حضور سے درخواست کی دعا کیجئے اللہ تعالیٰ مجھے بھی ان لوگوں میں داخل فرمادے۔ آپ ﷺ نے اس سعادت مند گروہ میں ان کی شمولیت کی دعاء کی پھر آپ لیٹ گئے اور دوبارہ اٹھے تو اس وقت بھی مسرت وشادمانی کے وہی آثار نمایاں تھے۔ ام حرامؓ نے سبب معلوم کیا تو وہی پہلا سبب بتایا۔ ام حرامؓ نے اس مرتبہ بھی درخواست کی تو فرمایا تمہارا شمار سابقین میں ہے (بخاری)۔

جہاد اور وہ بھی سمند پار کر کے زندگی کا سب سے صبر آزما ایثار اور قربانی کا جذبہ اس میں حضور ﷺ نے عورت کے شریک ہونے کی دعا فرمائی۔

اس سے اسلام کے رخ اور رجحان کا پتہ چلتا ہے اسلام یہ نہیں چاہتا کہ عورت اجتماعی سرگرمیوں سے بالکل کنارہ کش رہے اور اس کے لئے کوئی دائرہ مخصوص کر دیا جائے۔ کامیاب سماجی جدوجہد کے لئے جفاکشی، سادگی اور استقلال کی ضرورت ہوتی ہے جو عورت کی ذات میں خدا نے ودیعت کی ہیں۔

جس طرح جہاد عورت پر فرض نہیں مگر عورت کو جہاد سے روکا نہیں گیا۔ اسی طرح عورت کے کسب معاش کی ذمہ داری مرد پر عائد ہونے کے باوجود عورت کو کسب معاش سے نہیں روکا گیا۔

لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوا ط وَلِلنِّسَآءِ نَصِيبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ ط (النساء:۳۲)۔

''اور مردوں کے لئے جو انہوں نے کمایا اس کا حصہ ثابت ہے اور عورتوں کے لئے جو انہوں نے کمایا اس کا حصہ ثابت ہے''۔

حضرت عبداللہ بن مسعود کی بیوی صنعت وحرفت سے واقف تھیں، اس کے ذریعے اپنے اور اپنے شوہر اور بچوں کے اخراجات بھی پورے کرتیں۔ ایک دن حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا آپ ﷺ نے اجر کی بشارت سنائی۔

اسلامی حدود میں رہتے ہوئے جائز طریقوں سے کسب معاش اور علمی سرگرمیوں میں حصہ لینا بھی عمل صالح میں شامل ہے تب ہی تو حضرت عبداللہ بن مسعود کی بیوی محترمہ کو نبی آخر الزماں محمد ﷺ نے اجر کی بشارت سنائی۔

اسلامی قدروں کی قدر کرنے میں انسان کی قدر و توقیر کی بقا ہے اور اسی میں مومنین و مومنات کی فلاح ہے۔

وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ (المنفقون:۸)۔

''اور عزت اللہ کے لئے ہے اس کے رسول کے لئے اور مومنوں کے لئے ہے لیکن منافق جانتے نہیں''۔

موجودہ دور کے مختلف دستور (قوانین) اپنی تمام ترقیوں کے باوجود اس طرح کا متوازن اور عدل پر مبنی نظامِ وراثت ترتیب نہیں دے سکے جیسا سائنٹفک نظام اسلام کا ہے۔ اس ترقی پسند دور میں بھی عورت کو سب سے زیادہ وراثت میں حق دلانے والا مذہب اسلام ہی ہے اور اس مال پر یا خود اپنی محنت سے کمائی ہوئی دولت پر پورے طور پر با اختیار بھی کیا ہے۔

مساوات مرد و زن کے دعویدار اور امتیاز کے مخالف نام نہاد سیکیولر نظام نے عورتوں کے اس حق کو چھین لیا ہے جو اسلام نے انہیں عطا کیا ہے۔

ہمارے ہندوستان کے ملکی قانون کی رو سے عورت زرعی جائداد میں حصہ نہیں پا سکتی۔

اسلامی قانون کے مطابق ہر وارث ترکہ میں چاہے مرد ہے یا عورت اپنے حصہ کا مالک بن جاتا ہے۔ وارث ہی کو یہ اختیار ہے کہ وہ اپنے حصہ کا جو چاہے وہ کرے۔ اپنے قبضہ میں رکھے۔ کسی کو ہبہ کردے، اسے تقسیم کردے یا بیچ دے۔ مرد اس سلسلے میں عورت پر چاہے وہ شوہر ہے۔ باپ

ہے، بھائی ہے یا بیٹا ہے کوئی زور زبردستی اسلامی قانون کے مطابق نہیں کر سکتا۔

اسلام نے اپنے قانون وراثت سے عورتوں کو معاشی طور پر مالا مال کر دیا ہے اور یہ ایک چیلنج ہے کہ دنیا میں کسی بھی ملک کے اندر جو دوسرے قوانین وراثت ہیں ان میں عورتوں کو یہ تمام حقوق آج بھی میسر نہیں۔

دیکھئے اسلامی قانون وراثت عورت کے حق میں بیوی کا حق۔

۱-اگر شوہر (میت) کے کوئی اولاد نہیں ہے تو بیوی کو ترکہ کا اک چوتھائی حصہ ملے گا۔ ایک سے زائد بیویاں ہونے کی صورت میں سب ایک چوتھائی میں شریک ہونگی۔

۲-اگر شوہر صاحب اولاد ہے تو بیوی کا ترکہ میں سے آٹھواں حصہ ہے۔

ماں کا حق

۱-اگر میت کے کوئی اولاد نہیں ہے تو اس کی ماں کو ترکہ کا ایک تہائی حصہ ملے گا۔

۲-اگر میت کے اولاد ہے تو ماں اور باپ میں سے ہر ایک کو چھٹا حصہ ملے گا۔ اگر متوفی کے کوئی اولاد نہیں ہے لیکن دو یا دو سے زائد بھائی ہیں تو اس شکل میں بھی ماں کو چھٹا حصہ ملے گا اور باپ دو تہائی کا حق دار ہوگا۔

۳-اگر میت کے صرف ماں، باپ اور شوہر/بیوی ہوں تو شوہر/بیوی کا حق دینے کے بعد ماں کو بقیہ کا ایک تہائی دیا جائے گا (النساء)۔

وراثت میں بیٹی کا حق

۱-اگر متوفی کے صرف ایک بیٹی ہے تو وہ میت کی والدہ والد اور بیوی/شوہر جو حیات ہیں ان کا حصہ نکالنے کے بعد آدھے مال کی مالک ہوگی (النساء)۔

۲-اگر دو یا دو سے زائد بیٹیاں ہیں تو وہ تہائی مال میں سب شریک ہوں گی۔

۳-اگر بیٹے اور بیٹیاں دونوں ہیں تب ترکہ کی تقسیم اس طرح ہوگی کہ لڑکے کو دو لڑکیوں کے برابر حصہ ملے گا۔

بیوی، ماں اور بیٹی میت کے ترکہ میں ہر حال میں حصہ پاتے ہیں۔

(اخیافی) ماں شریک بہن اس وقت ورثہ پاتی ہے ترکہ میں سے جب میت کے اصل وفروع یعنی والدین، بیٹے بیٹی اور پوتا پوتی میں سے کوئی نہیں ہوتا۔

۱- اگر صرف ایک بہن اور ایک بھائی ہیں تو ہر ایک کو چھٹا حصہ ملے گا۔

۲- اگر دو سے زائد ہیں تو تہائی میں سب برابر کے شریک ہوں گے۔ یہاں حصہ میں مرد وعورت برابر ہیں۔

(عینی) سگی بہن (ماں اور باپ دونوں سے شریک) میت کے والدین اولاد یا پوتے پوتیاں ہیں تو بھائی بہن حصہ دار نہیں۔ ان کی غیر موجودگی میں یعنی نہ ہونے کی شکل میں بہن بھائی وراثت میں حصہ دار ہونگے۔

۱- اگر صرف ایک سگی بہن ہے (کلالہ کی) تو اس کو آدھا حصہ ملے گا ترکہ میں سے۔

۲- اگر دو یا دو سے زائد ہیں تو دو تہائی میں برابر کی شریک ہوں گی۔ اگر بھائی نہیں ہے تب۔

۳- اگر بہن کے ساتھ بھائی بھی ہے تو بھائی کو بہن کے دو حصے کے برابر ترکہ سے مال دیا جائے گا۔

۴- اگر میت کے بیٹا نہیں ہے صرف بیٹی یا پوتی ایک یا ایک سے زائد ہوں تو ان کا حصہ دینے کے بعد جو بچ رہے گا اس میں بہن بھائی اور اوپر کے قاعدے کے حساب سے حصہ پائیں گے۔

اگر سگے بھائی بہن نہیں ہیں (علاتی) باپ شریک ہیں تو ترکہ میں یہ بھائی بہن حق دار ہوں گے۔

میت کی ماں اگر موجود نہیں تو دادی نانی کو حق ملتا ہے۔

۱- ایک یا ایک سے زائد دادی نانی ہوں تو سب چھٹے حصہ میں شریک ہونگی۔

۲-میت سے قریب ترین رشتہ دار، نانی کو بھی حصہ ملتا ہے اگر سگے نہیں ہیں تب (النساء و بخاری و مسلم)۔

پوتی کا حق: اگر میت کے بیٹا بیٹیاں نہیں ہیں صرف پوتی ہے تو پوتی کو آدھا حصہ ملے گا دو سے زائد یا دو ہو تو دو تہائی کی وارث ہونگی اور سب برابر کی شریک ہوں گی۔

اسلام میں عورت کی معاشی حیثیت نہایت مستحکم ہے۔ متوازن اور حکیمانہ ہے۔ آج بھی دوسری تہذیبوں اور مذہبوں میں اس کا جواب نہیں ہے۔

مسلمانو! یہ امت تھی رضا پر کس قدر راضی
بناؤ درس حال اس کو نہ سمجھو قصہ ماضی

''ہندوستان کی جنگ آزادی اور مسلم خواتین''

کوئی بھی انقلاب اور جدوجہد قومی سطح کا ہو یا بین الاقوامی۔خواتین کی بیداری اور تعاون کے بغیر تکمیل کو نہیں پہنچ سکتا۔

ہندوستان کی آزادی ایک گراں قدر مشترک ورثہ ہے۔اس کی حفاظت بھی اسی وقت ہوسکتی ہے جب مرد و زن مل کر مستعد ہوں گے جس طرح دونوں نے مل کر طرح طرح کی قربانیاں دے کر آزادی حاصل کی۔

جنگ آزادی میں ہندوستان کی خواتین نے اپنی تمام تر صلاحتیں لگا دیں اور زندگی کے عیش و آرام کو ترک کر دیا تھا۔

محبّ وطن، جی دار، بہادر عورتیں وطن کو آزاد کرانے کے لئے ملک کی پہلی جنگ آزادی ۱۸۵۷ء سے ہی عملی طور پر حصہ لیتی رہیں۔شاندار ماضی ان کی نگاہوں میں تھا۔

آج علم کی کمی اور جہالت کی وجہ سے اکثریت کو نہ ماضی یاد ہے اور نہ آگے بڑھنے کا حوصلہ ہے۔

بلند ہمت، باوقار خواتین مردوں کی طاقت ہیں اور بچوں کی راہ بر ہیں۔ہندوستان کی تحریک آزادی میں سیکڑوں مسلم خواتین نے جان و مال اولاد اور دوسری طرح طرح کی قربانیاں دیں ہیں۔جن میں سے چند قومی یک جہتی کی متوالی ہند کی جیالی بیٹیاں یہ ہیں۔

''حضرت محل''۔۳۰ جون ۱۸۵۷ء کو لکھنؤ سے چھ میل دور گاؤں چنہٹ میں باغیوں

اور انگریزی افواج کا مقابلہ ہوا۔ انگریزوں نے شکست کھائی اور لارنس نے اپنی فوج کو ریزی ڈنسی کی طرف لوٹنے کا حکم دیا اور پورا شہر باغیوں کے رحم وکرم پر چھوڑ دیا۔

انقلابیوں نے مچھلی بھون میگزین کو آگ لا دی اور اس پر مکمل قبضہ کیا۔ مچھلی بھون پر قبضے کے بعد لکھنؤ کے گردونواح کی ساری انگریزی طاقت ریزیڈنسی کے حصار میں قلعہ بند ہو کر رہ گئی تھی۔

اودھ انگریزی چنگل سے نکل چکا تھا۔ جنگ آزادی کے مجاہدوں کو ایک سربراہ کی تلاش تھی۔ جو حوصلے بلند کر سکے۔

ہندوستان کے فوجی افسروں نے شاہی خاندان کے چند سر برآوردہ افراد سے قیادت کی درخواست کی لیکن وہ حضرت محل تھیں جنہوں نے اس پر آشوب دور میں قیادت کا بار گراں اپنے کندھوں پر اٹھا کر غیر معمولی جراءت و بہادری کا ثبوت دیا۔

۵/ جولائی ۱۸۵۷ء کو احمد حسین کی تحریک اور نواب محمد خان کی تائید سے برجیس قدر حضرت محل کے بیٹے تخت واجدی پر متمکن ہوئے لیکن اس وقت برجیس قدر کی عمر صرف ۱۴ سال کی تھی اس لیے حضرت محل مختار کل بنیں اور اس طرح ہنگامی حالات کے تحت وہ انتخاب عمل میں آیا جس میں امراء سے زیادہ عوام کو دخل تھا۔ حضرت محل نے تحریک آزادی میں ڈٹ کر حصہ لیا۔

وہ سپاہیوں کو امید سے زیادہ انعام دیتیں۔ عورتوں کا ایک فوجی گروہ تیار کیا اور اسی طرح ایک گروہ جاسوس عورتوں کا بھی تھا۔ حاکم وقت سے ایسی عقیدت و جاں نثاری دہلی کے بعد لکھنؤ سے ملی تھی وہ بھی مسلم خاتون حضرت محل سے۔ ناز و نعم سے پلی بڑھی بیگم نے جاں بازی کا علم اٹھایا۔ لوگ ان کی مستعدی اور نیک نفسی کے مدح خواں رہے۔

۲۵/ فروری ۱۸۵۸ء کو اپنے فرزند برجیس قدر کو لے کر میداں جنگ میں آئیں۔ اس سے آزادی کے جیالوں کا حوصلہ بڑھا۔ بڑی بے جگری سے انگریزی فوج کا مقابلہ کیا اور جنگ آزادی کی تاریخ میں زندہ روایت بن گئیں۔

انگریزوں کی معافی اور پنشن کے ہر اعلان کو ٹھکرا دیا۔ نیپال میں قیام کیا ایک محل برف باغ تعمیر کرایا اور اس کے اوپر آزاد ہندوستان کا جھنڈا لہرایا۔ ۱۸۷۴ء میں شمع حریت حضرت محل کا انتقال ہوا۔

''سبز پوش''۔ اس دور کی جراءت اور ہمت مردانہ کی عبرت انگیز بوڑھی خاتون سبز پوش تھیں یہ دلیر خاتون مردانہ لباس پہن کر گھوڑے پر سوار ہوتیں اور لوگوں کو جہاد پر آمادہ کرتی تھیں۔ کہتیں ''آؤ چلو اللہ تمہیں بہشت میں بلاتا ہے''۔ حریت پسند جوق در جوق ان کے ہمراہ ہو جاتے وہ ان کو لے کر بہادری سے انگریزوں پر حملہ کرتیں اور دشمن کی صفوں میں کھلبلی مچ جاتی تھی۔ کئی بار تنہا حملہ آور ہوئیں اور زندہ واپس آئیں۔ موت کا خوف نہ تھا۔ تلوار اور بندوق چلانے میں ماہر تھیں۔ ہڈسن جیسا مغل شاہزادوں کا خون پینے والا شخص بھی اس اعتراف پر مجبور ہوا کہ ''دہلی کی یہ خاتون ہندوستان کی جون آف آرک کے نام سے منسوب کی جا سکتی ہے''۔

''اصغری بیگم کی ولادت ۵ رجولائی ۱۸۱۱ء میں تھانہ بھون ضلع مظفر نگر میں ہوئی تھی۔ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں برطانوی حکومت کی مزاحمت کے جرم میں پکڑی گئیں اور زندہ جلادی گئیں۔

''رحیمی'' اس نوجوان خاتون کا تعلق ایک مسلم راجپوت خاندان سے تھا۔ ان کی پیدائش ڈسٹرکٹ مظفر نگر کے ایک دیہات میں ہوئی تھی۔ جنگ آزادی میں سب کچھ قربان کر کے بھرپور حصہ لیا۔ انگریز فوج سے مقابلہ کرنے کی ہمت کی۔ پاداش میں پھانسی کی سزا دی گئی۔ تقریباً ۲۵۵ خواتین برطانوی فوج سے لڑتی ہوئی شہید ہوئیں اور کئی نوجوان عورتوں کو پھانسی کی سزا دی گئی۔

''آبادی بانو''۔ والدہ محمد علی جن کو حریت کے شیدائیوں نے ام الاحرار کے خطاب سے نوازا۔ لقب بی اماں تھا۔ امروہہ ضلع مراد آباد کی رہنے والی تھیں۔ شوہر کا نام عبدالعلی تھا۔ پردہ میں رہ کر نہایت بلند ہمتی کا ثبوت دیا اور فرسودہ روایات سے بغاوت بھی کی۔ مولانا محمد کی تاریخ ساز شخصیت بی اماں کی مرہون منت ہے۔ دعائیں اور مبارک بادیوں کے تحفے آزادی کی جنگ

میں قید ہونے والے مجاہدین کی نذر کرتی تھیں۔ جائداد بیچ کر فنڈ میں چندہ دیا۔ کہ مجاہد قیدیوں کے گھر کا انتظام ہو سکے۔

آپ نے آزادی پسند فرزندان ہند کو خطاب کیا اس رشتہ سے زیادہ ایک اور مستحکم رشتہ ہے اس کا نام ہے اسلام اور لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ یادرکھو تم سب سے پہلے اسلام کے فرزند ہو"۔

"نشاط النساء بیگم" - زوجہ حسرت موہانی آزادی کی دلدادہ اس خاتون کا واقعہ بھی دارورسن کی آزمائش میں سے ایک ہے۔ تحریک آزادی میں بھرپور حصہ لیا۔

چکبست نے "صبح امید" میں بیگم حسرت موہانی کے لئے لکھا "ہم قوم کے نوجوانوں سے درخواست کرتے ہیں کہ وہ اس دیوی کے قدموں کے نیچے بیٹھ کر استقلال اور ایثار نفس کا سبق حاصل کریں"۔

مذہبی تعلیم، اردو فارسی اور عربی زبانوں کی معقول تعلیم یافتہ تھیں اور سیاسی شعور سے آراستہ تھیں۔ ۱۸۸۵ء میں موہان ضلع اناؤ کے سادات خاندان میں پیدا ہوئیں تھیں۔ آج موہان میں تعلیم نسواں کا رواج محترمہ نشاط بیگم کی کوشش اور مالی ایثار کا ثمرہ ہے۔ جنگ آزادی کے سلسلے میں ۱۹۰۸ء میں حسرت موہانی قید ہوئے تو ان کو ہمت افزا خطوط لکھتی رہی تھیں اخبارات پہنچاتیں اور اس دوران صرف نمک روٹی پر گذارا کرنا پڑا۔ اجرت پر چکی پیسی لیکن حب الوطنی کا جذبہ موج زن رہا۔

"سعادت بانو" - پیدائش ۱۸۹۳ء امرتسر حب وطن شعلہ بیان مقرر جناب سیف الدین کچلو کی اہلیہ محترمہ جان و مال دل و زبان ہر طرح ملک و ملت کے خیر خواہ امن تحریک کی فعال۔ آل انڈیا ویمنس کانفرنس کی سرگرم رکن تھیں۔ تاحیات انجمن ترقی اردو کی سرپرست رہیں۔ جنگ آزادی میں شریک ملت کے نوجوان آپا بی کہہ کر پکارتے تھے۔ نہایت پاک باز سچی مسلمان تھیں۔ آزادی کے ان متوالوں کا گھر امرتسر میں آزادی حاصل ہونے کے بعد لٹ گیا۔

دہلی میں سکونت اختیار کی ۱۹۷۰ء میں سعادت بانو کا انتقال ہوا۔آپ کی بہت سی نظمیں حب الوطنی اور مسلمانان ہند کی بیداری پر ہیں۔

''زبیدہ بیگم داؤدی''۔ بہار ضلع مظفر پور کی زبیدہ بیگم داؤدی ۱۸۸۵ء میں پیدا ہوئی ۔والد سید عبدالفتح سب رجسٹرار تھے۔بہار کے مشہور ایڈوکیٹ اور ممتاز قومی راہ نما شفیع داؤدی کی بیگم تھیں۔

انڈین نیشنل کانگرس کی ممبر تھیں۔خلافت وتحریک عدم تعاون کے دوران انہوں نے اس وقت کی تین ہزار روپیہ ماہوار کی پریکٹس چھوڑ دی۔زبیدہ بیگم نے گھر کے قیمتی ولایتی کپڑوں میں خود آگ لگادی۔اچھی قائد تھیں نہایت پرجوش تقریر کرتی تھیں۔

ملک کی آزادی کی خاطر سب کچھ قربان کر کے آزادی کے بعد گزر بسر کے لیے زمین بھی بیچنی پڑی۔

''کنیز سیدہ بیگم''۔۱۸۹۰ء میں چھپرہ بہار میں پیدا ہوئیں۔کانگریس راہ نما سید صلاح الدین کی چھوٹی بہن تھیں۔اس دور کی علم دوست خاتون تھیں۔ جناب ریاست حسین صاحب بیرسٹرایٹ لا ان کے شوہر تھے۔قوم پرست راہ نماؤں کے سیاسی نظریات پر یقین رکھتی تھیں اور عملی جامہ پہنانے میں جان و مال کسی سے دریغ نہ تھا۔

''منیرہ بیگم''۔بہار کے ممتاز قومی رہنماء مولوی مظہر الحق کی اہلیہ تھیں وہ پٹنہ کے بڑے زمیندار تھے۔لندن سے بارایٹ لا کیا۔منیرہ بیگم نے قوم اور وطن کی خاطر قربانیوں میں شوہر کا بھرپور ساتھ دیا۔

''بیگم خورشید خواجہ''۔۱۸۹۶ء میں پیدا ہوئیں وطن حیدرآباد۔ والد سربلند جنگ حیدرآباد ہائی کورٹ میں چیف جسٹس تھے۔شوہر علی گڑھ کے مشہور بیرسٹر خواجہ عبدالمجید تھے۔شوہر کے ساتھ قومی محاذ پر شانہ بشانہ چلتی تھیں۔ دشوار ترین راہ میں ہر قسم کی ذہنی و معاشی پریشانیوں کا سامنا کیا اور سینہ سپر رہیں۔

خورشید خواجہ نے علی گڑھ میں ایک کھادی بھنڈار قائم کیا اور علی گڑھ سے ہی ہند نام کا ایک ماہانہ جریدہ شائع کیا۔ ۱۹۳۰ء میں الہ آباد میں حمیدیہ گرلس اسکول قائم کیا۔ آج یہ ڈگری کالج ہے۔ ۱۹۸۱ء میں انتقال ہوا۔

''زلیخا بیگم'' (بیگم مولانا ابوالکلام آزاد) اسیران آزادی کے خاندانوں کی دیکھ بھال کی ذمہ داری اپنے کندھوں پر لی۔ بڑی حسین وجمیل خاتون تھیں۔ جنگ آزادی کی جدوجہد کے سلسلے میں سخت سے سخت آزمائش میں بھی شکوہ نہیں کیا۔ مولانا ابوالکلام کے سیاسی افکار کو گلے لگایا اور ہمت واستقلال سے جنگ آزادی کے دوران مصائب کا سامنا کیا۔ ۱۹۴۳ء میں انتقال ہوا۔

''زاہدہ خاتون'' - زاہدہ خاتون شروانیہ خوش فکر اور باشعور محبّ وطن تھیں۔ علی گڑھ کے قریب قلعہ بھیکم پور میں ولادت ہوئی۔ نواب مزمل اللہ خاں شیروانی رئیس بھیکم پور وسابق وائس چانسلر علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کی صاحب زادی تھیں۔ علم دین اور علم دنیا دونوں سے آراستہ تھیں۔ زاہدہ خاتون شیروانی نے بڑی دلسوزی سے اہل وطن کو انقلاب پر ابھارا۔ دامے، درمے، سخنے مدد کے لیے تیار ہوگئیں۔ آپ کا کہنا تھا سودیشی تحریک پر تو میں عاشق ہوں۔

''خدیجہ بیگم'' - معزز سرحدی خاندان سے تھیں۔ خدیجہ بیگم نے پردے کے ساتھ پنجاب یونیورسٹی سے بی اے کی ڈگری اعزاز کے ساتھ حاصل کی۔ ۱۹۳۱ء میں پنجاب صوبائی کانگریس کا اجلاس راولپنڈی میں ہوا۔ حکیم اجمل خاں صدر تھے۔ خدیجہ بیگم نے بھی اس میں تقریر کی۔ حب الوطنی اور آزادی مادر وطن سے متعلق ایک نظم بھی پیش کی۔ خود کھدر پہنتی تھیں اور دوسروں کو کھدر پہننے کی ترغیب دیتی تھیں۔

سرحد کی جاں باز خواتین میں خان عبدالغفار خان کی صاحب زادی مہر تاج کو بھی بھلایا نہیں جاسکتا۔

ان کے علاوہ بھی بہت سی قربانیوں کی پیکر جی دار خواتین نے ہندوستان کی جنگ آزادی میں بھرپور حصہ لیا جن میں عصمت آرا لکھنؤ نے اپنا سارا زیور وطن کی خدمت کے لیے

پیش کر دیا۔

''صغریٰ خاتون'' - ریاست نظام حیدرآباد سے تعلق رکھتی تھیں۔ جوانی میں بیوہ ہوگئی تھیں۔ اس کے بعد لکھنؤ آئیں۔ تحریک آزادی ہند میں سرگرم عمل رہیں۔ جلسے اور جلوس میں بھی حصہ لیتی تھیں۔ پردہ میں رہ کر سیاسی لیڈر کا کام کیا۔

''بی بی امت السلام'' - یہ پٹیالیہ کی رہنے والی تھیں۔ کرنل عبدالحمید خاں وزیر مالیات کی بیٹی تھیں۔ ۱۹۰۷ء کی پیدائش برقعہ پہن کر کھادی بیچی اور کھادی کا لباس اپنے لئے پسند کیا۔ اپنی زندگی کا ہر عیش و آرام چھوڑ کر اپنے کو آشرم کے اصولوں کے لیے وقف کر دیا تھا۔ ۱۹۲۳ء میں جیل بھیج دی گئیں۔ ان کے علاوہ آمنہ قریشی، امام عبدالقادر کی بیٹی۔ ان کی بڑی بہن فاطمہ بھی تحریک آزادی کی مجاہدہ تھیں۔ امینہ طیب جی گجرات کی ممتاز سیاسی رہنما تھیں انڈین نیشنل کانفرنس سے وابستہ تھیں۔

بیگم سکینہ لقمان جسٹس بدرالدین طیب جی کی بیٹی تھیں اور مقامی کانگریس شاخ کی صدر تھیں۔ اسی طرح ملک کی آزادی کے لیے کوشاں ریحانہ طیب جی تھیں۔ قومی جہد آزادی میں صوفیہ سوم جی نے بھی بڑی خدمات انجام دیں۔ سیوادل میں خواتین کے شعبے کی نگراں اور منتظم تھیں۔ قومی جہد آزادی میں بڑی خدمات انجام دیں۔

جب مرد و زن نے اتحاد کے ساتھ مل کر انگریزوں کی اتنی بڑی جمعیت جو ہر طرح کے جدید ہتھیاروں سے لیس تھی اور صاحب اقتدار تھی ان کو شکست دی اور ملک کو آزاد کرالیا تو آج بھی اگر ایمان و یقین اور علم و عمل کی مشعل لے کر باطل اور سماج میں رسومات بد کے خلاف کھڑی ہو جائیں تو یقیناً شاندار مستقبل کے خواب کو حسین تعبیر نصیب ہوگی۔

لیکن اس کے لئے بے جا پابندیاں بے حسی اور جہالت سے ملت کی خواتین اور بچوں کو پہلے آزادی دلانی ہوگی آج کی کوشش و کاوش انشاءاللہ ہند کی آزادی کی طرح کل کی فتح ہوگی۔

''حجاب اور آزادیٔ نسواں''

قرآن کریم کے تمام احکام تو جیہات پر مبنی ہیں۔ ہر حکم کا اہم مقصد ہے جو بات جتنی زیادہ فائدہ مند ہے اس کا حکم اسی حساب سے فرض، واجب، سنت اور مستحب اور مباح قرار پائی۔

خواتین کی عظمت و عصمت کے سلسلے سے متعلق احکام میں حجاب ایک اہم حکم ہے۔ عورتوں کے اعزاز و اکرام کا جزو ہے۔ احکام حجاب کے تین بڑے مقاصد صاف طور ر سمجھ میں آتے ہیں۔ پہلا عورتوں اور مردوں کے اخلاق و عادات کی حفاظت یعنی ان خرابیوں کی روک تھام جو آزادانہ میل جول سے پیدا ہوتی ہیں اور یہ ایک حقیقت ہے کہ جتنا زیادہ بے حجابی کا رواج عام ہو رہا ہے اتنے ہی زیادہ جرائم ہو رہے ہیں۔

دوسرا مقصد یہ ہے کہ عورتوں اور مردوں کا دائرۂ عمل الگ کیا جائے قدرتی طور پر کچھ جذبات مرد کے اندر زیادہ ودیعت کئے گئے ہیں اور کچھ عورت کے اندر۔ یہ حد حجاب عورت کے حق میں ہر طرح بہتر ہے۔

تیسرا مقصد یہ سمجھ میں آتا ہے کہ خاندانی نظام کو مضبوط اور محفوظ کیا جائے۔ تمام نظاموں سے بڑھ کر عائلی نظام ہے۔ فرد، فرد سے سماج بنتا ہے جیسے بوند بوند سے سمندر اگر گھریلو نظام اخلاق و عادات درست ہونگے تو سماج خود بخود سدھر جائے گا۔ ہر شخص جب یہ سوچ کر چلے گا کہ مجھے کون سے اصول اپنانے ہیں اور کیا جو طور طریقے اور جینے کے لئے اختیار کئے ہیں وہ صحیح معیار پر اترتے ہیں اگر ایسا کیا تو سماجی خرابیاں خود ہی دور ہوتی چلی جائیں گی۔

حجاب کے لغوی معنی ہیں دو چیزوں میں حائل ہونے والی چیز اور پردہ (المنجد)۔

قرآن کریم میں لفظ حجاب سات بار آیا ہے اور ہر جگہ آڑ، روک اور پردہ کے معنی میں استعمال ہوا ہے الاعراف آیت ۴۶، ص ۳۲، صٰفٰت ۵، الشوریٰ ۵۱، الاسراء ۴۵، مریم ۱۷ اور الاحزاب آیت ۵۳۔

وَاِذَا سَاَلْتُمُوْهُنَّ مَتَاعاً فَسْئَلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَاءِ حِجَابٍ ذَالِكُمْ اَطْهَرُ لِقُلُوْبِكُمْ وَقُلُوْبِهِنّ (الاحزاب:۵۳)۔

''اور جب ان سے (عورتوں سے) کوئی سامان مانگو تو پردے کے باہر سے مانگو یہ ان کے اور تمہارے دونوں کے لئے بہت پاکیزگی کی بات ہے''۔

اس آیت سے یہ بات صاف طور پر واضح ہو رہی ہے کہ پردہ کی وجہ سے عورت مجبور نہیں ہو جاتی۔ اگر لین دین کی ضرورت پیش آئے تو کام نہیں رکے گا صرف حجاب کا لحاظ رکھنا ضروری ہوگا۔

آج مسلمانوں کو دوسری قوموں نے کمتر سمجھنا شروع کر دیا کیونکہ مسلم قوم نے اپنے عمل سے ان کی اطاعت قبول کرلی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آگاہ فرما دیا تھا۔

وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَ هُمْ وَاحْذَرْهُمْ (المآئدة:۴۹)۔

''ان کی (کافروں کی) خواہشات کی پیروی نہ کرو اور ان سے ہوشیار رہو''۔

يَآ اَيُّهَاالنَّبِيُّ اتَّقِ اللهَ وَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ (الاحزاب)۔

''اے پیغمبر اللہ سے ڈرتے رہنا اور کافروں اور منافقوں کا کہنا نہ ماننا''۔

عملی طور پر غلامی قبول کر لینا صرف ذاتی آزادی ہی کے لئے نہیں پوری ملت کی آزادی کے لئے خطرہ کا باعث ہے۔

بے حجابی عریانی کی پہلی منزل ہے۔ خواتین کو اجتماعی اور انفرادی طور پر قوم سے عریانیت کو ہٹانے میں کوشاں ہونا چاہئے۔ عریانیت فرد، قوم اور ملک دونوں کے لئے خطرہ ہے۔

مخلوط اجتماعات اور بے پردگی کی وجہ سے اقتصادی بحران بھی رونما ہو رہا ہے۔ عورتوں

اور مردوں کے لباس اور بناؤ سنگھار کے اخراجات استطاعت سے زیادہ بڑھ جاتے ہیں جس کی وجہ سے صحت وطاقت کے لئے ضروری غذا میں کمی آرہی ہے اور یہاں تک دیکھا جارہا ہے کہ یہ اخراجات ناجائز طریقوں سے پورے کئے جارہے ہیں یعنی حجاب ایک آڑ ہے روک ہے برائی ناشائستہ جذبات سے بچائے رکھنے کے لئے۔

سماجی اور خانگی نظام میں اعتماد اور سکون برقرار رہے، اس لئے اسلام نے تادیب قائم کیا۔حجاب نہ قید ہے اور نہ کسی بھی طرح باشعور آزادی میں رکاوٹ۔ یہ ایک بے بنیاد اور کم عقلی کی بات ہے کہ پردہ قید ہے اور ترقی میں رکاوٹ۔لفظ ترقی اپنے میں بہت وسعت رکھتا ہے۔ صرف معاشی اور اقتصادی سدھار کا نام ہی ترقی نہیں، اس کے ساتھ ساتھ سماجی، سیاسی، جنگ و صلح سے متعلق اصول وقوانین کی جانکاری، خدمت خلق سے متعلق حرکات وسکنات اور حقائق کا اجراء بھی شامل ہیں۔

جب پردہ کا رواج عام تھا اور انسانوں کے دلوں میں انسانوں سے زیادہ اللہ کا خوف تھا تاریخ شاہد ہے بڑی بڑی عالم وفاضل، شعراء، ادیب گھڑسوار، جنگ جو بہادر اور نڈر خواتین گذری ہیں۔ میدان جنگ میں تیر وتلوار کے جوہر دکھاتے ہوئے بھی حجاب کا پورا خیال تھا۔ بہت سی خواتین صنعت وحرفت میں بھی کمال رکھتی ہیں۔تجارت اور زراعت کے کام بھی انجام دیتی تھیں، اس وقت پردہ اور دوپٹہ ترقی میں رکاوٹ نہیں بنا۔

پردہ کے سلسلے میں مسلم مرد اتنے ہی ذمہ دار ہیں جتنی عورتیں کیونکہ قرآن کریم کی رو سے مرد قوام (ناظم) ہیں۔

الرِّجَالُ قَوَّمُوْنَ عَلَى النِّسَاءِ (النساء:۳۴)۔

''مرد عورتوں پر ناظم ہیں''۔

اکبرالہ آبادی نے بھی کیا خوب کہا تھا:

آئیں جو بے حجاب نظر چند بیبیاں

اکبر زمیں میں غیرت قوی سے گڑ گیا

پوچھا جو ان سے آپ کا پردہ وہ کیا ہوا

کہنے لگیں کہ عقل پہ مردوں کی پڑ گیا

اسلام نے کسی معاملہ میں بھی افراط وتفریط کو پسند نہیں کیا۔ ہر حکم میں توازن ہے۔ عورت کی قدر ومنزلت اور حفاظت کے لئے پردہ کا حکم دیا گیا لیکن ضرورت پڑنے پر پردہ کا لحاظ رکھتے ہوئے اور اسلامی قدروں کی قدر کرتے ہوئے گھر سے باہر جا کر مختلف امور میں حصہ لے سکتی ہے۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا عورت کا ستر چہرہ، کلائی کے جوڑ تک ہاتھ اور ٹخنے تک پاؤں کے سوا اس کا پورا جسم ہے (ابوداؤد)۔

حضور اکرم ﷺ نے عورتوں کو اس بات سے بھی منع فرمایا کہ وہ گھر سے باہر خوشبو کا استعمال کریں۔ مسجد کے اندر نماز باجماعت میں آپ ﷺ نے عورتوں اور مردوں کے لئے الگ الگ جگہ مقرر فرما دی تھی اور اس بات کی اجازت نہ تھی کہ عورتیں اور مرد مل کر ایک صف میں نماز ادا کریں۔ اسی طرح آپ نے دوسرے امور میں بھی مومن ومومنات کے لئے اس کا خیال رکھا۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَقَرْنَ فِی بُیُوتِکُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِیَّةِ الْأُولَىٰ وَأَقِمْنَ الصَّلَوٰةَ وَآتِینَ الزَّکَوٰةَ وَأَطِعْنَ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ (الاحزاب:۳۳)۔

''اور اپنے گھروں میں ٹھہری رہو اور زمانہ جاہلیت کی طرح ماری مت پھرو نماز پڑھتی رہو اور زکوٰۃ دیتی رہو اور اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرتی رہو''۔

قرآنی احکامات کے خلاف خواتین میں کوئی بات پائی جائے تو یہ کہنا کہ اس نے ترقی کی یا آزاد خیالی اختیار کی یا ترقی پسند ہوئی تو یہ بالکل غلط ہے بلکہ یہ کہنا چاہئے کہ اس نے زمانہ جاہلیت کے کردار و رواج کی طرف رجعت کی۔ غیر کی پسند کی غلامی قبول کی۔

اگرخواتین ضرورت کے تحت گھر سے باہر جائیں تو اس کے سلسلے میں مندرجہ ذیل حکم نازل ہوا۔

یَآاَیُّھَاالنبی قُلْ لِاَزْوَاجِکَ وَبَنَاتِکَ وَنِسَاءِ الْمُؤْمِنِیْنَ یُدْنِیْنَ عَلَیْھِنَّ مِنْ جَلَابِیْبِھِنَّ ذٰلِکَ ادنٰی اَنْ یُعْرِفْنَ فَلَا یُؤْذِیْنَ وَکَانَ اللّٰہُ غَفُوْراً رَّحِیْماً (الاحزاب:۵۹)۔

''اے پیغمبر اپنی بیویوں اور بیٹیوں اور مسلمانوں کی عورتوں سے کہہ دو وہ اپنے چہروں پر چادریں لٹکا لیا کریں یہ بات ان کے لئے موجب شناخت ہوگی (کہ مسلم ہیں) تو ایذا نہ دی جائے گی اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے''۔

آج کل کے ماحول کا تقاضا ہے کہ پردہ کی پابندی کی جائے جو خواتین یہ دعویٰ کرتی ہیں کہ مسلم ہیں اور اسی طرح وہ مرد بھی جو مسلمان ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں اور اس کے باوجود بھی قرآنی احکامات کی مخالفت کرتے ہیں وہ نفس امارہ کے غلام ہیں۔

کچھ بے شعور کم فہم لوگوں نے بے پردگی کو تہذیب اور ترقی کا جز مان کر یہاں تک بے حیائی اختیار کر لی ہے کہ دوپٹہ اوڑھنے کو بھی ضروری نہیں سمجھتے۔ جبکہ قرآن مجید میں دوپٹے کے متعلق حکم اس طرح ہے:

وَلْیَضْرِبْنَ بِخُمُرِھِنَّ عَلٰی جُیُوْبِھِنَّ (النور:۳۱)۔

''اور اپنے سینوں پر اوڑھنیاں اوڑھے رہو''

اپنی نگاہوں کو بے لگام نہ چھوڑنا مومن کی صفت ہے۔ اس میں عظمت و عصمت دونوں کی حفاظت ہے۔

فرمان الٰہی ہے:

قُلْ لِلْمُؤْمِنِیْنَ یَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِھِمْ وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ یَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِھِنَّ (نور:۳۰-۳۱)۔

''مومن مردوں سے کہہ دے وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھا کریں اور مومن عورتوں سے کہہ دے وہ اپنی

نگاہیں نیچی رکھا کریں"۔

نامحرم مردوں سے ضرورت پڑنے پر گفت وشنید کی جاسکتی ہے۔آواز و انداز میں نزاکت اور لہجہ پرکشش بنانے کی ممانعت ہے۔

فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِي فِي قَلْبِهِ مَرَضٌ وَّقُلْنَ قَوْلاً مَّعْرُوفاً (الاحزاب:۳۲)۔

"نرم نرم باتیں نہ کیا کرو (نامحرم سے) تاکہ وہ شخص جس کے دل میں کسی طرح کا مرض ہے کوئی امید (نہ) پیدا کرے۔مناسب طریقہ سے بات کرو"۔

کچھ لوگوں نے اس حکم کو دھیان سے پڑھے بغیر ہی کہنا شروع کردیا ہے کہ عورتوں کی آواز کا بھی پردہ ہے کوئی غیر مرد آواز نہ دے۔

پردہ عورت کی جائز اور باوقار حرکات وسکنات میں رکاوٹ نہیں ہے۔نبی کریم ﷺ کی حیات میں خواتین نے میدان جنگ میں ۳ھ غزوہ احد میں جناب امہ سلیط کی قیادت میں (نرسنگ) تیمارداری کی خدمات انجام دیں۔رومیوں سے جنگ ہورہی تھی حضرت ضرار بن ثعلبہ نرغہ میں پھنس گئے جب یہ اطلاع ان کی بہن خولہ بنت ثعلبہ کو پہنچی تو انہوں نے میدان جنگ میں جاکر بہادری اور بے جگری سے دشمن کے چھکے چھڑادیئے تھے۔یہ خواتین جنگی مہارات رکھتی تھیں۔بہترین گھڑسواری اور اونٹوں کی سواری جانتی تھیں۔

حضرت عثمانؓ کے دور خلافت میں جناب ام حرامؓ نے سمندر کا سفر کیا بحری بیڑے میں شرکت کے لئے سفر کیا۔اس امر کی بشارت حضور انور ﷺ نے ان کو پہلے دے دی تھی۔

صحابہ کرام کی محفل میں حضور پرنور ﷺ جلوہ افروز کہ اسماء بنت مکرمہ تشریف لائیں اور حقوق سے متعلق سوال کیا آپ نے جواب دیا اور ان کی ذہانت و ہمت کی تعریف فرمائی۔اگر پردہ اور آواز کے پردہ کا وہ تصور ہوتا جو لاعلمی کی وجہ سے آج ہوجاتا ہے تو نبی کریم ﷺ حضرت اسماء کو ضرور منع فرماتے اور حضرت اسماء بھی اپنے سوال کا جواب حاصل کرنے کے لئے آئیں

لیکن اسلامی تعلیمات اور اصولوں کا پورا لحاظ رکھتے ہوئے۔

رب العزت کا فرمان ہے:

قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّیَ الْفَوَاحِشَ مَاظَهَرَ مِنْهَا وَمَابَطَنَ (الاعراف:۳۳)۔

''کہہ دے کہ میرے پروردگار نے بے حیائی کی باتوں کو ظاہر ہوں یا پوشیدہ حرام کردیا ہے''۔

مسلم خواتین کو چاہیئے کہ نگاہ بصیرت سے کام لیں اور پردہ کے سلسلہ میں افراط وتفریط کی بجائے صحیح متعین کردہ راہ اختیار کریں اسی میں ان کی اور قوم کی بھلائی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا (الانعام:۱۵۱)۔

''اور ان کی خواہشات کی پیروی مت کرنا جو ہماری (اللہ کی) آیات کی تکذیب کرتے ہیں''۔

ہدایت پر قائم رہنا مومن کی صفت ہے مگر مومنین ومومنات خود بھلی راہ اختیار کرتے رہیں۔ اور اپنے قول عقیدہ اور عمل سے مثال قائم کرتے رہیں کہ اسلامی تعلیمات کسی بھی طرح اور کسی بھی دور میں متوازن ترقی میں رکاوٹ نہیں ہیں تو آئندہ نسلیں خود بخود اس کی اہمیت وفوائد سے باخبر ہوتے جاتے ہیں۔

وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ فَاتَّبِعُوْهُ وَاتَّقُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ (الانعام:۱۵۶)۔

''اور یہ کتاب، بھیجا اس کو بابرکت (بابرکت قرآن کریم) بس اس کی پیروی کرو اور (اللہ سے) ڈرو تاکہ تم پر رحم کیا جائے''۔

۲۳۹۱۴

''مسلم معاشرہ اور مسلمہ کا عقد ثانی''

نکاح انسان کی اہم فطری ضرورت ہے۔ اسلام نے انسانوں کے لئے آسانیاں مہیا کی ہیں۔ دشواریوں کو پسند نہیں کیا عبادات، معاملات سب کاموں میں سہولتیں دی ہیں۔

یُرِیْدُ اللّٰہُ بِکُمُ الْیُسْرَ وَلَا یُرِیْدُ بِکُمُ الْعُسْرَ (البقرہ:۱۸۵)۔

''اللہ تمہارے حق میں آسانی چاہتا ہے سختی نہیں چاہتا''۔

یہی وجہ ہے کہ نکاح کرنے کے طریقہ کو سادہ اور آسان تر بنایا ہے۔ نکاح کو مشکل اور مہنگا بنانے سے فسق و فجور کے راستے کھل جاتے ہیں۔ آج کا حال اس بات کا زندہ ثبوت ہے۔ جنسی اباحت اور اخلاقی انارکی کے نمونے زیادہ سننے میں آرہے ہیں۔ طرح طرح کے مہلک مرض اور وبائیں پھیل رہی ہیں۔ بہت سے مالدار، کھاتے پیتے بلکہ ہر طبقہ میں بہت سے بدنیت بھکاری یعنی جہیز مانگنے والے زندہ جلانے والے اور دوسرے طریقوں سے اس مقصد کے لئے جان لینے والے بزدل کم ظرف بھی (کم ظرف اس لئے لکھا ہے کہ ان میں مردوں کا سا وقار نہیں ہے) اطراف و جوانب میں درندوں کی طرح گردش میں ہیں۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ ہندوستانی مسلمان نکاح کے معاملہ میں کافروں اور مشرکوں سے بہت زیادہ متاثر ہو رہے ہیں۔ اسی طرح ان کی بہت سی دوسری رسومات بھی اپنا رکھی ہیں۔

ان میں سے ایک مطلقہ اور بیوہ عورتوں کے عقد ثانی کو معیوب سمجھنا بھی شامل ہے۔ ہندو مذہب میں عورت کے لئے دو ہی راستے تھے یا تو وہ شوہر کی لاش کے ساتھ ستی ہو کر مر ہی

جائے یا زندگی بھر اکیلی اور ذلت کی زندگی گزارے اور تا حیات بد بخت کہلاتی رہے۔ چاہے بوڑھی ہو یا جوان ہو یا بچی ہی کیوں نہ ہو۔

ہندوستانی دیندار مسلمان دوسرا یا تیسرا نکاح کرنے کو معیوب تو نہیں سمجھتے لیکن اکثر باعث عار ضرور سمجھنے لگے ہیں۔

اللہ رب العالمین کا فرمان ہے:

وَاَنْكِحُوا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ وَالصّٰلِحِيْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَاِمَآئِكُمْ اِنْ يَّكُوْنُوْا فُقَرَآءَ يُغْنِهِمُ مِنْ فَضْلِهٖ (النور:۳۲)۔

''اور اپنوں میں کے بے نکاحوں (بیوہ، مطلقہ، اکیلے) کے نکاح کر دیا کرو اور اپنے غلاموں اور لونڈیوں کے بھی جو نیک ہوں، اگر وہ مفلس ہیں تو اللہ ان کو اپنے فضل سے خوشحال کر دے گا''۔

اَیَامٰی جمع ہے اَیِّم کی یعنی ہر وہ مرد اور عورت جس کا نکاح موجود نہ ہو۔ خواہ پہلے ہی سے نکاح نہ ہوا ہو یا زوجین میں سے کسی ایک کی موت یا طلاق سے نکاح ختم ہو گیا ہو (المنجد)۔

ائمہ اور مجتہدین تقریباً سبھی متفق ہیں کہ جس شخص کو نکاح نہ کرنے کی صورت میں غالب گمان یہ ہو کہ حدود شریعت پر قائم نہیں رہ سکے گا۔ گناہ میں مبتلا ہو جانے کا ڈر ہو اور نکاح کرنے پر اس کو قدرت بھی ہو یعنی اس کے وسائل موجود ہوں تو ایسے شخص پر نکاح کرنا فرض یا واجب ہے۔ جب تک نکاح نہ کرے گا گناہ گار رہے گا (معارف القرآن، ج ششم، تفسیر سورہ نور ص ۴۱)۔

احادیث صحیحہ میں نکاح کو سنت مرسلین اور حضرت محمد ﷺ نے اپنی سنت قرار دیا ہے (بخاری و مسلم)۔

مردوں کے لئے آپ ﷺ نے اپنی سنت سے یہ بھی ثابت کر دیا ہے کہ نکاح کے لئے عورت عمر میں بڑی۔ بالکل برابر عمر کی اور چھوٹی عمر کی بھی ہو سکتی ہے۔ ام المومنین حضرت خدیجہ نبی اکرم ﷺ سے ۱۵ سال بڑی تھیں، حضرت سودہؓ بالکل برابر کی عمر کی تھیں۔ آپ بھی پچاس سال کے تھے وہ بھی پچاس سال کی تھیں، نکاح کے وقت حضرت صدیقہ عائشہ حضور سے عمر میں

کافی چھوٹی تھیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ اَنْ يَّنْكِحْنَ اَزْوَاجَهُنَّ اِذَا تَرَاضَوْا بَيْنَهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ ذٰلِكَ يُوْعَظُ بِهٖ مَنْ كَانَ مِنْكُمْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ذٰلِكُمْ اَزْكٰى لَكُمْ وَاَطْهَرُ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ (البقرہ:۲۳۲)۔

''اور جب تم عورتوں کو طلاق دے چکو اور ان کی عدت پوری ہو جائے تو ان کو دوسرے شوہروں کے ساتھ جب وہ آپس میں جائز طور پر راضی ہو جائیں نکاح کرنے سے مت روکو۔ اس سے اس شخص کو نصیحت کی جاتی ہے جو تم میں اللہ اور روز آخرت پر یقین رکھتا ہے۔ یہ تمہارے لئے نہایت خوب اور پاکیزگی کی بات ہے۔ اور اللہ جانتا ہے تم نہیں جانتے''۔

اللہ کے رسول ﷺ نے اس طرح بھی نکاح کی ترغیب دی ہے۔ ''جب تمہارے پاس کوئی ایسا شخص منگنی لے کر آئے اور اخلاق تم کو پسند ہوں تو ضرور نکاح کر دو۔ اگر ایسا نہیں کرو گے تو زمین میں فتنہ اور وسیع پیمانے پر فساد پیدا ہو جائے گا'' (ترمذی)۔

حضور اکرم ﷺ کی سوائے حضرت صدیقہ عائشہؓ کے سب ازواج مطہرات مطلقہ تھیں یا بیوہ تھیں۔ آپ ﷺ کے اتباع میں صحابہ کرام نے بھی اس پر عمل کیا۔

جب معاشرہ میں کوئی رسم بد جڑ پکڑ لیتی ہے تو اس کو اکھاڑ کر ختم کرنے کا عزم و حوصلہ وہی لوگ کر سکتے ہیں جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہوں اور اللہ تعالیٰ کے حکم کو قائم کرنے میں جدوجہد کرتے وقت انہیں کسی بھی انسان کی بات اور ملامت کی ذرا بھی فکر نہیں ہوتی۔

سید احمد شہیدؒ کی عظیم دینی دعوتی اصلاحی خدمات میں سے ایک اہم کام نکاح بیوگان و مطلقات کے لئے سعی بھی ہے۔ اس سلسلہ میں تقاریر کرنے کے ساتھ مثال بھی قائم کی تا کہ عوام میں عمل کی روح بھی جاگ اٹھے۔ انہوں نے اپنی بیوہ بہن کو نکاح کی ترغیب دی اور ان کا عقد ثانی مولانا عبدالحئی پھلتی سے کروا دیا سید احمد شہید کی کوششوں سے ہزاروں بیوہ عورتوں کو حیات نو ملی اور بیوہ کے نکاح کو معیوب سمجھنے کا ہندوانہ تصور مسلمان شرفاء کے گھرانوں سے رخصت ہونے لگا۔

مولانا مظفر حسین کاندھلوی اور بانی دار العلوم دیو بند حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی اور ان کے استاد مولانا مملوک علی نانوتوی نے اس تحریک کو اپنے قول و عمل سے تقویت بخشی۔

''نکاح بیوگان کے سلسلہ میں مولانا نانوتوی کی تحریک زوروں پر تھی اور بڑے مؤثر وعظ ہو رہے تھے اسی دوران خود ان کی ہمشیرہ بیوہ ہوگئیں۔ مخالفین کو یہ کہنے کا موقع ملا کہ نکاح بیوگان کے فضائل پر تقریریں کرتے پھر رہے ہیں اور خود ان کے گھر میں بیوہ بہن بیٹھی ہوئی ہے۔ مولانا مرحوم کی بہن ضعیف ہو چکی تھیں سر کے بال سفید تھے۔ بہن کو نکاح ثانی پر آمادہ کیا اور ان کا عقد ثانی کر دیا'' (سوانح قاسمی، ج ۲ مناظر احسن گیلانی)۔

مطلقہ عورتوں کا عقد ثانی اس لئے بھی مشکل ہو جاتا ہے کیونکہ کچھ کم سمجھ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ مطلقہ عورت میں ہی کوئی برائی یا خرابی ہوگی حالانکہ اکثر ظالم اور بے جا غصہ کرنے والے مردوں کے رویئے کی وجہ سے بھی طلاق ہوتی ہے۔ کبھی مزاجوں کی ہم آہنگی نہ ہونے کی وجہ سے بھی یہ نوبت آتی ہے۔ آج کل عیش پرستی، بغیر سوچے سمجھے فیصلے لینے اور قوت برداشت کی کمی سے بھی طلاقیں ہو رہی ہیں۔

کئی بار ایسا ہوتا ہے کہ بیوہ اور مطلقہ کے ساتھ اس کے پہلے شوہر سے بچہ یا بچے ہوتے ہیں۔ لوگ مطلقہ یا بیوہ سے نکاح کرنے کو تیار ہو جاتے ہیں یا خود ہی خواہش مند ہوتے ہیں لیکن اس کے بچوں کو اپنے گھر رکھنے سے منع کر دیتے ہیں۔ اس وجہ سے وہ مطلقہ یا بیوہ اپنے بچوں کی خاطر اکیلے ہی زندگی گذارنے پر مجبور ہو جاتی ہے جبکہ بیوہ عورت سے نکاح کرنے کے ساتھ ہی اس کے پہلے شوہر کے بچوں کی کفالت کرنا اللہ کے رسول ﷺ کے اسوہ حسنہ سے ثابت ہے۔ آپ ﷺ نے اپنی زوجہ محترمہ حضرت خدیجہؓ کے بچوں کو بڑے پیار سے رکھا۔

رہی بات مطلقہ کے بچوں کی تو ان بچوں کا باپ اگر زندہ ہے، حیادار ہے اور کچھ بھی اس کا اسلامی تعلیم سے تعلق ہے تو وہ اپنے بچوں کی کفالت اور تعلیم و تربیت کا ذمہ دار ہے یہ اس کا فریضہ ہے۔ یہ بالکل الگ بات ہے کہ کوئی خاتون صرف اپنی ہی مرضی سے، رشتہ داروں یا

معاشرہ کی کسی قائم کردہ رسم سے متاثر ہوئے بغیر یہ فیصلہ کرلے کہ اپنے بچوں کی پرورش، تربیت اوران کی دلجوئی کے لئے دوسرا نکاح نہیں کرے گی اور ساتھ ہی یہ بھی اعتماد ہو کہ وہ بغیر شوہر کے اپنی زندگی صاف ستھری گذاردے گی تو اس کا یہ قدم بھی قابل تحسین ہے۔لیکن ہر ایک کے لئے قابل عمل نہیں ہے۔

اللہ کے رسول ﷺ کا ارشاد ہے "میں اور وہ عورت جس کے دونوں رخسار سیاہ پڑ گئے (بیوگی کے غم وفکر میں) ہوں یعنی وہ بیوہ ہوگئی ہو،اس نے اولاد کی پرورش کی خاطر نکاح نہیں کیا تو میں اور وہ عورت جنت میں ان دوانگلیوں کی طرح ہونگے (نسائی)۔

ہمارے ہندوستانی مسلم سماج میں تو یہ حال بھی دیکھا جارہا ہے کہ بیوہ اور مطلقہ خاتون اگر نکاح ثانی کرنے کے لئے قدم آگے بڑھانا بھی چاہتی ہے تو خود اس کی اولاد اس کی مخالفت پر آمادہ ہوجاتی ہے۔ناطہ توڑنے کے لئے تیار اور میراث سے ناحق کرنے پر اتارو ہوجاتے ہیں اس کے اپنے بچے۔وہ اس کے نکاح ثانی کو اپنی شان کے خلاف سمجھتے ہیں۔انہی وجوہات کے تحت اکثر مطلقہ اور بیوہ عورتیں نفسیاتی مریض ہوجاتی ہیں اور بھی پریشانیاں جوان پر گذرتی ہیں نہ وہ عام طور سے کسی سے کہتی ہیں نہ ہی کسی کو ان کا لمبا چوڑا حال سننے کی فرصت ہوتی ہے۔اگر کچھ سن بھی لیا تو اس کا کچھ مداوا نہیں بلکہ کچھ لوگ تو بجائے ہمدردی کے ان کو شک وشبہ کی نظر سے دیکھنے لگتے ہیں۔

لیکن اب الحمد للہ پھر سے لوگوں کے خیالات میں تبدیلی آرہی ہے۔اسلامی رجحان رکھنے والے دنیاوی علوم کے طالب علم اور ماہرین ساتھ ہی علم دین سے تعلق رکھنے والے حضرات ایسے نظر آرہے ہیں کہ وہ بیوہ اور مطلقہ خواتین سے نکاح کررہے ہیں۔یہ بات کئی شہروں میں دیکھی گئی ہے۔علی گڑھ میں بھی ۲۰۰۵-۶ میں کئی قابل اور سمجھدار نوجوانوں نے اور بڑے مردوں نے بیوہ اور مطلقہ خواتین سے نکاح کئے اور خوبی کی بات یہ ہے کہ اچھی زندگی گذار رہے ہیں۔

جب چند لوگ اچھا قدم آگے بڑھاتے ہیں تو دوسرے نیک دل حضرات کو بھی آگے بڑھنے میں مدد ملتی ہے اور حوصلہ افزائی ہوتی ہے۔

’’مسلم خاتون اور فن سپہ گری‘‘

کئی بار طالبات نے یہ سوال کیا کہ عورتوں اور لڑکیوں کے لئے کیا گھوڑے پر سواری کرنا، ہتھیار چلانا، نشانہ باندھنے کے لئے بندوق وغیرہ سے تربیت حاصل کرنا اور موٹر سائیکل، اسکوٹر یا کار چلانا شریعت اسلامی کے تحت جائز ہے یا نہیں۔

بہت سے مردوں اور عورتوں کو ایسی لڑکیوں اور عورتوں کے لئے جو تیمارداری کی تربیت حاصل کر رہی ہیں یا کرنا چاہتی ہیں۔ گھوڑے پر سواری کرنا یا مروجہ گاڑی چلانا، ہتھیار چلانے یا اسی سے متعلق اپنی مدافعت کر سکنے کی اہلیت پیدا کرنے کی کوئی اور تربیت جیسے کراٹے وغیرہ سیکھ رہی ہیں یا سیکھ چکی ہیں ان کے لئے ناگوار الفاظ کہتے بھی سنا ہے۔

افسوس کی بات یہ ہے کہ ابھی مسلمانوں کا بڑا طبقہ اسلام کے سلسلے سے یہی کہتا ہے کہ ہم نے یہ سنا ہے وہ سنا ہے جبکہ وہ خود ذی عقل ہیں دوسرے علوم بھی جانتے ہیں۔ بہتر یہی ہے بلکہ واجب ہے کہ اسلام کے بارے میں خود پڑھیں یا اگر معلوم کرنا ہے تو اہل علم سے معلوم کریں۔ اس سے بہت سے غیر مسلموں، کم پڑھے لکھے مسلمانوں اور جو اسلام سے کچھ دوری رکھتے ہیں لیکن ہیں مسلمان ان کو فائدہ حاصل ہوگا۔

مندرجہ بالا سوالات اور گفتگو کا جواب اسلامی تاریخ کے تحت قرآن کریم اور احادیث شریفہ کی روشنی میں جس انداز سے دیا وہ تحریر ہے تا کہ انشاء اللہ تعلیٰ مزید نفع بخش ہو مسلم خواتین کے لئے ملت کے لئے ملک کے لئے اور تمام عالم کے لئے۔

عمل کی بنیاد نیت پر ہے جیسی نیت ہے جس مقصد سے جو کام کیا یا کرنا چاہتا ہے وہی اس کا حصہ ہے (ماخوذ از حدیث رسول ﷺ، بخاری، مسلم)۔

اسی شہر علی گڑھ کا واقعہ ہے ۱۹۹۳ء کے فساد میں (شہر) اپر فورٹ کی ایک لڑکی جس کو این۔سی۔سی۔ٹریننگ اور بندوق چلانے کا بڑا شوق تھا۔ اپنے اس ہنر کی وجہ سے اس کے گھر والوں اور اطراف میں رہنے والوں کو بہت فائدہ پہنچا۔ یہاں تک کہ وہ شہید ہوگئی گھر کی چھت پر کسی گولی سے لیکن عزت وعظمت اور بہادری کے ساتھ اسلام کے اور قوم کے کام آئی لیکن حالات کی بدتری کی وجہ سے بجائے اس کے کہ اس کو سرکاری یا غیر سرکاری یا کسی طرح اور کسی بھی سطح پر انعام وکرام اور اعزاز سے نوازا جاتا، اس کا نام تک مخفی رکھنا پڑا اس کے لوگوں کو۔ لیکن مومن اللہ کی رحمت اور آخرت کے اجر سے ہمیشہ پر امید اور سرسبز وشاداب رہتا ہے۔ اب واقعہ تو کچھ لوگوں کو یاد ہے مگر نام مجھے یا اور کسی کو بھی معلوم نہیں۔ اسی طرح کے بہت سے واقعات ہیں لیکن جواب اسلامی شریعت کے مطابق دیکھنا ہے تا کہ ثابت کیا جاسکے کہ یہ فن سیکھنا عورتوں کے لئے جائز بھی ہے اور ضروری بھی۔ قرآن کریم میں کوئی ایک بھی آیت ایسی نہیں ہے جس میں فن سپہ گرمی اور تیمارداری سیکھنے کے لئے عورتوں کو منع کیا گیا ہو۔ نہ ہی سیکھنے کے لئے حکم دیا گیا ہے۔

مومنات ومسلمات زندگی کے کسی بھی میدان میں اللہ تعالیٰ کے خوف، اسلامی تعلیم، اسلامی تہذیب وتمدن اور اپنی حقیقت کو یاد رکھتے ہوئے قدم رکھیں تو یہ قدم اور عمل ضرور نفع بخش ہوگا۔

میدان جنگ میں خواتین بلکہ صحابیاتؓ رسول ﷺ کے جنگی کارنامے اور رضا کارانہ خدمات راہ حق میں استقامت کے بہت سے واقعات ہیں۔

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ غزوہ احد میں ام المومنین جناب عائشہ صدیقہؓ اور حضرت ام سلیمؓ نے مجاہدین کی تیمارداری کی۔ وہ اپنی پیٹھ پر پانی سے بھری مشک لائی تھیں اور مجاہدین اسلام کو پانی پلاتی تھیں۔

حضرت فاطمہ بنت رسول اللہ ﷺ اور صحابیہ رسول ﷺ ام سلیطؓ اور بہت سی صحابیات

مجاہدین کی مرہم پٹی کرنے اور میدان کارزار سے خیمہ تک پہنچوانے وغیرہ کاموں میں مشغول رہیں (طبقات ابن سعد، ج ۸)۔

جناب ام سلیط غزوہ حنین میں بھی شریک رہیں اور حضرت عمرؓ سے روایت ہے کہ وہ ہمارے لئے پانی لائی تھیں (طبرانی)۔

حضرت ام سلیم احد اور حنین میں شریک تھیں ہاتھ میں خنجر تھا۔ اللہ کے رسول ﷺ نے ان سے معلوم کیا تو جواب دیا کہ میں نے اس کو اپنے ساتھ اس لئے رکھا ہے کہ اگر کوئی مشرک قریب ہو تو اس سے اس کا پیٹ چاک کردوں (صحیح مسلم کتاب الجہاد)۔

افسوس کی بات یہ ہے کہ تقریباً ستر اسّی سال سے اپنے ملک کے مسلم مردوں نے ہی اس فن سے اپنے آپ کو الگ کرلیا۔ عورتوں کو کیا سکھاتے۔

جبکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا سْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللهِ وَعَدُوَّكُمْ وَاٰخَرِيْنَ مِنْ دُوْنِهِمْ وَلَا تَعْلَمُوْنَهُمْ اَللهُ يَعْلَمُهُمْ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَيْءٍ فِي سَبِيْلِ اللهِ يُوَفَّ اِلَيْكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ وَاِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَى اللهِ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ (الانفال: ۶۱-۶۰)۔

''اور جہاں تک ہو سکے (فوج کی جمعیت کے) زور سے اور گھوڑوں کے تیار رکھنے سے ان کے (مقابلہ کے) لئے مستعد رہو کہ اس سے اللہ کے دشمنوں اور تمہارے دشمنوں اور ان کے سوا ان لوگوں پر جن کو تم نہیں جانتے اللہ جانتا ہے ہیبت بیٹھی رہے گی اور تم جو کچھ اللہ کی راہ میں خرچ کروگے اس کا ثواب تم کو پورا پورا دیا جائے گا۔ اور تمہارا ذرا نقصان نہ کیا جائے گا۔ اور اگر یہ لوگ صلح کی طرف مائل ہوں تو تم بھی اس کی طرف مائل ہو جاؤ اور اللہ پر بھروسہ رکھو کچھ شک نہیں کہ وہ سب کچھ سنتا (اور) جانتا ہے''۔

اس کی وجہ یہ کہ مومن کی تلوار امن قائم کرنے کے لئے ہے (Jihad is gunning for peace)

۳ھ جنگ احد میں جس وقت زبردست رن پڑا ہوا تھا۔ اس وقت ام عمارہ دشمنوں کے

بیچ سے نکل کر اللہ کے رسولؐ کے قریب پہنچیں اور تیر و تلوار سے آپ ﷺ کے اوپر ہونے والے حملوں کو روکنے لگیں۔ اسی جنگ میں ابن قمیہ نے تلوار سے حملہ کیا تو ام عمارہ کے کندھے پر زخم لگا، اسی زخمی حالت میں انہوں نے ابن قمیہ پر ضرب کاری لگائی اسے زخمی کر دیا (اصح السیر، عبد الرؤف دانا پوری اور سیرت ابن ہشام)۔

حضرت ام عمارہ کا نام نسیبہ بنت کعب تھا۔ تاریخ اسلام میں ان کو یہ شرف حاصل ہے کہ اللہ کے دین اور اللہ کے رسولؐ کی دفاع میں خواتین میں سب سے پہلے ہتھیار اٹھایا۔

رسول اللہ ﷺ نے خود اپنی زبان مبارک سے ان کو ان الفاظ میں سراہا "دائیں بائیں جس طرف بھی میں نے رخ کیا۔ ام عمارہؓ کو میری مدافعت میں ڈٹے دیکھا" (صحیح مسلم)۔

جنگ احد کے علاوہ ام عمارہ نے خیبر، حنین اور یمامہ کی جنگوں میں شرکت کی تھی۔ یمامہ کی جنگ میں لڑتے لڑتے ان کا ہاتھ شہید ہو گیا اور اس کے علاوہ ان کے جسم پر تلوار اور نیزے کے بہت سے زخم تھے (طبقات ابن سعد، ج ۸)۔

حضرت صفیہؓ بنت عبد المطلب اللہ کے رسول ﷺ کی سگی پھوپھی تھیں جنگ خندق میں رسول کریمؐ نے مدینہ میں مسلمات کو ایک قلعہ میں حفاظت کے خیال سے رکھ دیا تھا۔ یہودی قلعہ کے چکر لگاتے تھے اور ایک یہودی قلعہ میں داخل ہو گیا۔ حضرت صفیہؓ نے یہودی کو دیکھ لیا۔ اس پر اس زور سے وار کیا کہ وہ مر گیا۔ اس کا سر کاٹ کر قلعہ سے باہر پھینک دیا۔ یہ دیکھ کر یہودی سمجھے کہ قلعہ میں مرد بھی موجود ہیں (صحیح مسلم، کتاب الجہاد)۔

جنگ یرموک میں حضرت ام حکیمؓ نے شرکت کی ان کے شوہر حضرت عکرمہ شہید ہو چکے تھے۔ زبردست جنگ ہو رہی تھی۔ جناب ام حکیم نے اپنے خیمہ کا ایک مضبوط ڈنڈا لیا اور میدان جنگ میں آ گئیں اور اس ڈنڈے سے سات دشمنوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا (مسلم باب غزوہ النساء مع الرجال)۔

حضرت اسماءؓ بنت یزید نے جنگ یرموک میں اسلام کے دشمنوں کے مقابلہ ہتھیار

اٹھائے تو رومیوں کو قتل کیا۔ مسلم فوج کی مددگار ثابت ہوئیں۔

ام حارث انصاریہ کی بہادری اور استقامت کا یہ حال تھا کہ جنگ حنین میں اسلامی فوج میں سے اکثر کے قدم اکھڑ گئے تھے لیکن ام حارث باہمت اصحاب کے ساتھ جنگ میدان میں ڈٹی رہیں (الاستعاب)۔

حبیب بن سلمہ کی زوجہ محترمہ نے جنگ موتہ میں شرکت کی (البیان والتبین، ج ۲)۔

جناب لیلی الغفاریہ کے متعلق علامہ ابن عبدالبر نے لکھا ہے کہ وہ اللہ کی رسول ﷺ کے ساتھ غزوات میں شریک رہتی تھیں اور مجاہدوں کی مرہم پٹی کرتیں اور ان کی ضروری تیمارداری اور دیکھ بھال کرتی تھیں (تلخیص از نجوم رسالت حصہ ٦)۔

۱۴ھ جنگ قادسیہ میں ساٹھ مجاہدہ خواتین نے حصہ لیا جن میں حضرت امیرؓ معاویہ کی والدہ محترمہ حضرت ہندہ بھی تھیں۔ اسی جنگ قادسیہ میں حضرت خنساءؓ شریک تھیں مع اپنے بیٹوں کے۔ ان کے چاروں صاحب زادے اللہ کی راہ میں شہید ہو گئے۔ حضرت خنساء نے جب ان سب کے شہید ہو جانے کی خبر سنی تو "اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا کہ ان سب کو اس نے دولت شہادت سے نوازا اور مجھے اعزاز بخشا کہ انشاء اللہ اس کی رحمت اور فضل کے سایہ میں ان چاروں کے ساتھ میں بھی رہوں گی"۔

اسی طرح دریائی سفر کے مجاہدین میں شرکت کرنے والی صحابیہ حضرت ام حرام ہیں یہ اپنے شوہر حضرت عبادہؓ کے ساتھ دریائی سفر کے جہاد میں گئی تھیں اور اس کی دعاء نبی کریم ﷺ نے فرمائی تھی۔ رومیوں سے جنگ ہو رہی تھی حضرت خولہ بنت ثعلبہ نے اپنے بھائی ضرار کو دشمنوں کے نرغے سے نکالا۔

ایک مرتبہ چند صحابیات حضور ﷺ سے اجازت لئے بغیر خیبر کی جنگ کے لئے روانہ ہوئیں جن میں حضرت حشرج بن زیاد کی دادی بھی تھیں آپ ﷺ نے ان کو طلب فرما کر تنبیہ کی۔

جو خواتین مقدس جہاد میں شریک ہونے کی آرزومند ہوتی تھیں ان پر بھی یہ پابندی تھی

کہ وہ رسول اللہ کی اجازت سے شریک ہوں۔ یہ بات صحابہ کرام کے دور میں بھی جاری رہی تا کہ یہ معلوم ہو سکے کہ کسی مزاج اور طبیعت کی خواتین ہیں۔ واقعتاً جذبات اور نیت کیا ہے۔ ان کی حفاظت کا بھی انتظام ہے اور ان کی صلاحیت و اہلیت کس قدر ہے اور سب سے اہم بات یہ کہ میدان جنگ میں حالات کے تحت ان کی ضرورت بھی ہے یا نہیں۔

واقعات تو اور بھی بہت ہیں تاریخ اسلامی ایسے سنہرے اور روشن ستاروں سے بھری ہوئی ہے لیکن ہم نے ان تمام کارناموں کو فراموش کر رکھا ہے۔

یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ شریعت اسلامی نے ریاست کے دفاع اور اس کی حفاظت کی ذمہ داری عورتوں پر نہیں ڈالی۔ لیکن اللہ کے دین کو سر بلند کرنے اور اس کے دشمنوں کی طاقت کو کمزور کرنے کے لئے عورتوں کو بھی یہ ہنر سیکھنا چاہئے تا کہ ضرورت پڑنے پر کام آسکیں۔ بوجھ نہ بنیں بلکہ بوجھ اٹھا سکیں۔ ہمت اور جراءت سے مجاہدہ اور غازیہ کے لقب سے سرفراز ہو سکتی ہیں۔ قیام امن عالم میں حصہ دار بن سکتی ہیں۔

''ایک سے زیادہ کب اور کیوں''

اسلام سے پہلے کثرت ازواج کا رواج بغیر کسی تحدید کے ساری دنیا میں عام تھا۔ ممالک اور مذاہب کی تاریخ گواہ ہے کہ کسی مذہب اور کسی قانون نے اس اس پر کوئی حد نہیں لگائی تھی۔

اسلام کے ابتدائی دور میں کثرت ازدواج کا طریقہ عام طور سے تھا اس کی کوئی تعداد بھی مقرر نہیں تھی۔

اسلام نے ہی تعداد ازدواج پر ضروری پابندی لگائی اور عدل و مساوات کا قانون جاری کیا۔

عوام میں یہ مشہور ہے کہ اسلام میں چار شادیاں کرنا سنت ہے۔ ایسا بالکل نہیں ہے۔ تعدد ازدواج کی اسلام میں صرف اجازت دی گئی ہے۔

اگر صحیح طور پر اس اجازت کا استعمال کیا جائے تو اس کا مقصد ثواب آخرت اور قوم کی خیر خواہی اور نفس کو صحیح راہ پر قائم رکھنے کی کوشش ہے اور اگر کوئی مسلمان اپنی ذمہ داریوں کو سنبھالنے کی صلاحیت بھی رکھتا ہے تو اس اجازت میں بھی بڑے مصالح اور فوائد ہیں۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ اسلام کے ہر حکم اور اجازت میں بصیرت، عقل اور حکمت ہے۔

آج کے بظاہر، متمدن دور میں اس اجازت کو ہدف ملامت بنایا جا رہا ہے۔ اول بات تو یہ کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے مسلمانوں کو چار شادیاں کرنے کا نہ حکم دیا ہے نہ

ترغیب دی ہے اور نہ ہی ہمت افزائی کی ہے۔ اسی کے ساتھ ایک سے زیادہ نکاح کرنے اور چار بیویاں رکھنے پر کہیں اجر وثواب کا تذکرہ بھی نہیں ملتا اور یہ ذکر بھی نہیں ہے کہ ایسا نہ کرنے پر کچھ مواخذہ ہوگا۔ بلکہ یہ اجازت بھی مشروط ہے۔

وَاِنْ خِفْتُمْ اَنْ لَّا تُقْسِطُوْا فِی الْیَتٰمٰی فَانْکِحُوْا مَاطَابَ لَکُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰی وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً اَوْ مَامَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ اَدْنٰی اَلَّا تَعُوْلُوْا (النساء:۳)۔

''اور اگر تم کو اس کا خوف ہو کہ یتیم لڑکیوں کے ساتھ انصاف نہ کرسکو گے تو ان کے سوا جو عورتیں تم کو پسند ہوں دو یا تین تین یا چار چار ان سے نکاح کرلو اور اگر اس کا اندیشہ ہو کہ (سب کے ساتھ) انصاف نہ کرسکو گے تو ایک عورت (کافی ہے) یا لونڈی جس کے تم مالک ہو اس سے تم بے انصافی سے بچ جاؤ گے''۔

مندرجہ بالا قرآن کریم کی آیت سے ثابت ہے کہ چار بیویاں اس شرط کے ساتھ ہیں کہ ان کے ساتھ ناانصافی اور عدم مساوات نہ برتی جائے اور اگر اس کا خوف ہو کہ انصاف نہ ہو سکے گا یا کسی ایک کو بھی توجہ یا برابری کا درجہ نہ مل سکے گا تو ایک سے زیادہ بیوی نہ کی جائے۔

اگر ایک سے زیادہ ہیں تو سب کے حقوق کی تقسیم لباس طعام و مکان دیگر ضروریات زندگی اور شب میں قیام کی باری وغیرہ میں برابری لازم ہے جیسا کہ حضور ﷺ کا یہی معمول شریف تھا اپنی بیویوں کے ساتھ۔

حدیث شریف میں بیویوں کے تذکرہ میں عدم انصاف کے بارے میں سخت وعید ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''جس شخص کے دو بیویاں ہوں اور وہ ان کے درمیاں انصاف نہ کرے تو قیامت کے دن وہ اس طرح آئے گا کہ اس کے جسم کا آدھا حصہ گرا ہوا ہوگا'' (صحیح بخاری کتاب النکاح)۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَلَنْ تَسْتَطِیْعُوْآ اَنْ تَعْدِلُوْا بَیْنَ النِّسَآءِ وَلَوْحَرَصْتُمْ فَلَا تَمِیْلُوْا کُلَّ الْمَیْلِ

فَتَذَرُوْهَا كَالْمُعَلَّقَةِ وَاِنْ تُصْلِحُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ اللهَ كَانَ غَفُوْرًرَّحِيْماً (النساء:۱۲۹)۔

''اور تم برابری نہیں کر سکو گے تو ایسا بھی نہ کرنا کہ ایک ہی کی طرف ڈھل جاؤ اور دوسری کو چھوڑ دو (ایسی حالت میں) گویا ادھر میں لٹک رہی ہے اور اگر آپس میں موافقت کر لو اور پرہیز گاری کر دو تو اللہ بخشنے والا مہربان ہے''۔

رب العلمین نے اور نبی کریم ﷺ نے مسلم قوم کو اس کی ذمہ داریوں کی طرف توجہ دلائی ہے تا کہ مومن اگر اس اجازت سے فائدہ اٹھانا چاہتا ہے تو اچھی طرح سوچ سمجھ کر اس کے لئے آمادہ ہو محض عیش کوشی کے لئے اس کو وسیلہ نہ بنائے۔

اغیار کا یہ خیال بھی غلط ہے کہ تعداد ازدواج کا مقصد عیش کوشی ہے۔ یہ اجازت عورت کی عظمت کے منافی بھی نہیں ہے۔

بہت سے مسلمان ایسے ہیں جو کئی شادیاں صرف ہمدردی اور قوم کی فلاح کے لئے کرتے ہیں۔ مثلاً کوئی نوعمر لڑکی یا عورت ہے کوئی وارث نہیں ہے یا حالات کے تحت شادی نہ ہو سکی۔ یا بیوہ ہے مطلقہ ہے اور اس کی معاشی ذمہ داری اٹھانے والا کوئی عزیز و قرابت دار بھی نہیں ہے تو ایسی صورت میں ہمدردی کے جذبے کے تحت دوسرا یا تیسرا یا چوتھا نکاح کیا ہے تو یہ ہرگز غلط نہیں ہے نہ یہ عیاشی ہے بلکہ یہ ایک قابل تعریف قدم ہے۔

تعداد ازدواج کی فطری احتیاج سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا۔ اللہ رب العزۃ نے الگ، صورت و شکل، قوت جذبات، سوچ و فکر وغیرہ کے اعتبار سے اپنے بندوں میں مختلف مزاج کے انسان پیدا کئے ہیں۔ کسی انسان کے اندر کوئی جذبہ زیادہ ہوتا اور کسی میں دوسروں کے مقابلہ کوئی دوسرا جذبہ اور طاقت زیادہ ہوتے ہیں جن لوگوں میں یہ خواہش بڑھی ہوئی ہوتی ہے اور اپنی اس خواہش پر قابو رکھنا اس کے لئے مشکل ہوتا ہے ان کے لئے ایک بیوی کافی نہیں ہوتی۔ اللہ کے خوف سے بدنظری اور بدکرداری سے بچنے کے لئے اگر وہ دوسری شادی کرتا ہے تو یہ اپنے نفس کو پاک صاف رکھنے کی ایک کوشش ہوئی۔

ایک اور وجہ یہ بھی ہے کہ عورت حیض و نفاس، حمل اور رضاعت کے ادوار سے گذرتی رہتی ہے۔ ان ایام میں جنسی تعلق رکھنا نقصان دہ ہے۔ اسی لئے قرآن کریم میں اس حالت میں جنسی تعلق رکھنے سے منع فرمایا ہے:

وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْمَحِيْضِ قُلْ هُوَ اَذًى فَاعْتَزِلُوا النِّسَآءَ فِى الْمَحِيْضِ وَلَا تَقْرَبُوْهُنَّ حَتّٰى يَطْهُرْنَ فَاِذَا تَطَهَّرْنَ فَاْتُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ اَمَرَكُمُ اللّٰهُ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ وَ يُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ (البقر:۲۲۲)۔

''اور تم سے حیض کے بارے میں دریافت کرتے ہیں کہہ دو وہ نجاست ہے۔ سو ایام حیض میں عورتوں سے کنارہ کش رہو اور جب تک پاک نہ ہو جائیں ان سے مقاربت نہ کرو۔ ہاں جب پاک ہو جائیں تو جس طریق سے اللہ تعالیٰ نے تمہیں ارشاد فرمایا ہے ان کے پاس جاؤ۔ کچھ شک نہیں کہ اللہ توبہ کرنے والوں اور پاک صاف رہنے والوں سے محبت کرتا ہے''۔

حمل کے ایام میں جنسی تعلق بچہ کے لئے بے حد مضر ہوتا ہے۔ ان حالات میں جنسی تعلق بچہ کی نشونما اور اخلاق و عادات کو بھی متاثر کرتا ہے۔ عورت کا نظام جسمانی بھی اثر انداز ہوتا ہے۔ کسی کسی عورت کا جسم اس کا متحمل نہیں ہوتا کہ اس سے جنسی تعلق برابر قائم رکھا جا سکے (میڈیکل سائنس)۔

اگر بیوی بانجھ ہو یا دائم المریض ہو یا کسی نسوانی مرض میں مستقل مبتلا رہتی ہو تو ان اسباب کے تحت اگر کوئی مومن اپنے فطری جذبہ کو صحیح اور صالح طور پر پورا کرنے کے لئے ایک سے زیادہ نکاح کرے تو یہ بات معقول ہے۔

بعض مواقع ایسے بھی ہیں جن میں تعداد ازدواج ایک سماجی ضرورت بن جاتی ہے۔ مثلاً جنگ، فساد اور بلوے میں مرد اور لڑکے ہی زیادہ کام آتے ہیں۔ جوان العمر عورتیں بیوہ ہو جاتی ہیں اور چھوٹے بچے یتیم۔ اگر ان تمام بیوہ اور نوعمر لڑکیوں کو بغیر نکاح کے اسی طرح رہنے دیا جائے تو فتنہ کا ڈر ہے۔ اور مسلم معاشرہ میں بہت سارے کمزوروں مسکینوں اور فقیروں کی تعداد بھی بڑھتی ہے جس کی وجہ سے قوم کی کمزوری نمایاں ہوتی ہے۔

اگر سماج اور نظام ہوش مند ہے اور صالح خیالات کا حامل ہے تو وہ اس صورت حال کو اسی طرح نمٹ سکتا ہے کہ ان کے نکاح کئے جائیں اور یتیم بچوں کے لئے وظائف کا انتظام کیا جائے۔

ترک دنیا اور تجرد اور رہبانیت کو اسلام نے پسند نہیں کیا تا کہ عورت اور مرد پاکیزہ زندگی گذاریں اور صالح معاشرہ وجود میں آئے۔

حضرت ابو درداءؓ کا واقعہ ہے کہ ان کو بیوی بچوں سے تعلق رکھنا، کھانا پینا اور زندگی کی دوسری ضروریات اور مشاغل، معیار دینداری کے منافی نظر آتے تھے۔ حضرت سلمان فارسیؓ ان کے گھر گئے ان کی بیوی ام درداء کو پھٹے پرانے کپڑوں میں دیکھا۔ حالت بگڑی ہوئی تھی زندگی کو امنگ اور نشاط سے بالکل عاری پایا۔ سلمان فارسیؓ نے ان سے اس کی وجہ معلوم کی۔

ام درداءؓ نے کہا ''ابو درداءؓ کو دنیا سے کچھ مطلب نہیں پھر میرے لئے بن سنور کر رہنے کا کیا موقع ہے۔ اسی وقت حضرت ابو درداءؓ آ گئے، کھانا حاضر کیا گیا۔ ابو درداءؓ نے حضرت سلمان فارسیؓ سے کہا آپ بسم اللہ کریں میں تو روزہ سے ہوں۔

حضرت سلمان فارسیؓ نے کہا میں آپ کے بغیر لقمہ نہیں اٹھا سکتا۔ اصرار کے بعد جناب ابو درداءؓ نے روزہ توڑ کر شریک طعام ہوئے۔ کچھ وقت کے بعد نوافل کی تیاری میں لگ گئے تو سلمان فارسیؓ نے ان کو روکا اور کہا یہ ابھی سونے کا وقت ہے۔ تھوڑی دیر بعد پھر انہوں نفل پڑھنے کا ارادہ کیا اور اٹھ گئے۔ اس بار بھی سلمان فارسی نے ان کو روک دیا کہ ابھی آرام کا وقت ہے۔

رات کے آخری حصہ میں حضرت سلمانؓ خود بھی اٹھے اور ان کو بھی اٹھنے کے لئے کہا اور دونوں نے مل کر تہجد کی نماز پڑھی۔ اس کے بعد سلمان فارسیؓ نے حضرت ابو درداءؓ سے کہا ''تمہارے رب کا بھی تم پر حق ہے تمہارے اہل وعیال کا بھی تمہارے اوپر حق ہے تو ہر حق دار کو اس کا حق دو''۔ اسی طرح انسان پر اس کے اطراف وجوانب میں رہنے والوں کا معاشرہ کا بھی حق ہے۔

حضرت ابو درداءؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور واقعہ بیان کیا۔ رسول اللہ

ﷺ نے اپنے صحابی حضرت سلمان فارسی کی تائید کی اور فرمایا انہوں نے بالکل سچ کہا۔

اگر ہر حال میں صرف ایک ہی بیوی رکھنے کی اجازت ہوتی اور تجرد کو بھی ناپسند نہ کیا گیا ہوتا تو یقیناً معاشرہ میں ابتری پھیل جاتی اور بیمار اور غیر صالح سماج اور راہ سے گمراہ لوگ ہر طرف نظر آتے جیسا کہ تاریخ میں اور حال میں دوسری قوموں سے صاف نظر آتا ہے۔

اسلام میں تعدداز دواج کی اجازت کے باوجود مسلمانوں میں اس کا رواج بہت کم ہے اور شاذ ہے۔ ہزاروں میں انگلیوں پر گننے کے لائق چند ہی لوگ ایسے ہوتے ہیں جو اس اجازت سے فائدہ اٹھا کر دو بیویوں کے شوہر ہیں لیکن تین اور چار بیویوں کے بیک وقت شوہروں کی تعداد تو لاکھوں میں سے چند ہی ہوتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ سے ڈرنے والے مومن کی زوجہ یا ازواج نکاح کے ذریعہ گھر ہی میں ہیں۔ اس کے بچے بھی اس کو معلوم ہیں کتنے ہیں اور ان کی دیکھ بھال تعلیم و تربیت بھی اسی کو کرنی ہے۔ اس کے لئے بے جا اور غیر شعوری ناجائز طریقہ ہے ہی نہیں کیونکہ اس کو آخرت کے حساب و کتاب کا برابر خوف ہے۔

اس کے برعکس دوسرے لوگوں کے یہاں کچھ اور ہی منظر ہے، جس کی وجہ سے معاشرہ میں شائستہ اور بے ضرر ماحول برقرار رکھنا مشکل معلوم ہو رہا ہے۔

اسلام پر تدبر اور تفکر کے ساتھ عمل پیرا ہونے میں ہی عالمی مسائل کا حل ہے اور تمام انسانوں اور انسانیت کی بھلائی ہے۔ سچی مسلمہ ہمیشہ پاک باز مسلم اور متقی شوہر کا اس کے ہر نیک عمل میں ساتھ دینے اور حصہ دار بننے کے لئے تیار رہتی ہے۔

”تقویت نسواں تعلیم و ہنر سے“

اسلام نے مرد اور عورت کے درمیان مساوات قائم کی اس سلسلے میں پہلی بات جو قرآن کریم میں نظر آتی ہے وہ یہ ہے کہ اے انسانوں، اے آدم کی اولاد اور اے اہل ایمان کہہ کر مخاطب کیا گیا ہے۔ اس طرح مرد و عورت دونوں قرآن کریم میں یکساں مخاطب ہیں۔ عمل اور جزاء وسزاء کی بنیاد پر بھی دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔

لَیْسَ لِلْاِنْسَانَ اِلَّا مَاسَعٰی (النجم:۳۹)۔

”انسان کے لئے وہی ہے جس کی اس نے کوشش کی“۔

وَمِنْ یَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ مِنْ ذَکَرٍ اَوْ اُنْثٰی وَھُوَمُؤمِنٌ فَاُولٰٓئِکَ یَدْخُلُوْنَ الْجَنَّۃَ وَلاَ یُظْلَمُوْنَ نَقِیْراً (النسا:۱۲۴)۔

”اور جو نیک عمل کرے گا خواہ مرد ہو یا عورت اور وہ مومن ہو تو ایسے ہی لوگ جنت میں داخل ہونگے اور ان کی ذرہ برابر حق تلفی نہ ہونے پائے گی“۔

اسی طرح نسب اور خاندان کی بنیاد پر بھی کسی طرح کی برتری یا کمتری نہیں رکھی گئی ہے۔

یا ایھا الناس انا خلقنکم من ذکر وانثیٰ وجعلنکم شعوبا وقبائل لتعارفوا ان اکرمکم عند اللہ اتقکم (الحجرات:۱۳)۔

”اے لوگوں ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تمہاری قومیں اور قبیلے بنائے تا کہ

ایک دوسرے کی شناخت کرو۔ اللہ کے نزدیک تم میں زیادہ عزت کے لائق وہ ہے جو زیادہ پرہیز گار ہے‘‘۔

دوسرے نظریات میں افراط وتفریط کی کھینچ تان کا عجیب سلسلہ نظر آتا ہے۔ مساوات کے بظاہر حامی اور ترقی پسند لوگ اس دور میں بھی ابھی عورت کی عظمت کو نہیں پہچانے۔

بہت سے بلند مرتبہ لوگوں کے والدین اور زیادہ تر مائیں جب بوڑھے ہو جاتے ہیں تو اپنے ہی گھروں میں یا مددگار گھروں میں ناگفتہ بہ حالت میں دن گذارتے ہیں۔ یا نیم پاگل حالت میں عمر کے بقایہ دن اولاد کی محبت ودیدار سے محروم رہ کر کاٹ دیتے ہیں۔

رسول کریم ﷺ نے فرمایا الجنة تحت اقدام امهات، یعنی جنت ماؤں کے قدموں کے نیچے ہے (بخاری ومسلم)۔

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ بحیثیت ماں کے عورت کا درجہ باپ سے زیادہ ہے۔

اس کے برعکس گیتا میں کہا گیا ہے کہ باپ آکاش سے بھی اونچا ہے اس میں ماں کے درجہ کے سلسلے میں کوئی قول نہیں ہے۔

کسی بھی تحریک میں سچی لگن اور حقیقت سے قریب تر ہونا اس کی کامیابی ہے۔ جس اصول کو عملی صورت میں لایا جاتا ہے موثر اور کامیاب وہی ہوتا ہے اسلام میں تحریک وعمل کی ترغیب دی ہے۔

قرآن کریم میں فرمان الٰہی ہے:

’’اور تمہارے رب نے ارشاد فرمایا ہے کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو اور ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کرتے رہو۔ اگر ان میں سے ایک یا دونوں تمہارے سامنے بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو ان کو اف تک نہ کہنا اور نہ انہیں جھڑکنا اور ان سے ادب کے ساتھ بات کرنا‘‘ (الاسراء:۲۳)۔

بیوی کو اس کے حقوق دلانے کے لئے واجب قرار دیا گیا کہ اگر وہ پسند کرے تو سب کے ساتھ رہے ورنہ علیحدہ مکان دیا جائے اپنی حیثیت کے مطابق۔

یونان میں ایک خیالی عورت پانڈورا کو تمام انسانی مصائب کا موجب قرار دیا جاتا تھا۔ اسی طرح بائبل میں حضرت حوا کو گناہ کی جڑ یعنی پہلا گناہ کرنے والی ہستی عورت قرار دی گئی کہ حضرت حوا نے شیطان کا کہا مانا اور حضرت آدم کو بھی گناہ پر آمادہ کیا اور جنت سے نکلوایا۔

جبکہ قرآن کریم میں فرمان رب العزت ہے:

''تو شیطان دونوں کو بہکانے لگا تاکہ ان کے ستر جو ان سے پوشیدہ تھیں کھول دے اور کہنے لگا کہ تم کو تمہارے پروردگار نے اس درخت سے صرف اس لئے منع کیا ہے کہ تم فرشتے نہ بن جاؤ یا ہمیشہ جیتے رہو۔ اور دونوں سے قسم کھا کر کہا کہ میں تو تمہارا خیر خواہ ہوں'' (الاعراف)۔

سورہ طٰہٰ میں مزید وضاحت فرمائی گئی:

''تو شیطان نے اس کے دل میں وسوسہ ڈالا کہا اے آدم بھلا میں تم کو درخت بتاؤں ہمیشہ کی زندگی کا اور ایسی بادشاہت کہ کبھی زائل نہ ہو''۔

پورے قرآن کریم میں کوئی ایک آیت ایسی نہیں ہے جس میں یہ کہا گیا ہو کہ شیطان نے حضرت حوا ہی کو آمادہ کیا۔

اسی طرح اسلام میں کسی بھی بدکرداری کی سزا مرد و عورت دونوں کے لئے یکساں ہے۔ جبکہ منو اسمرتی کے مطابق اگر مرد اونچی ذات کا ہے اور لڑکی نیچی ذات کی ہے تو سزا کی مستحق لڑکی قرار پاتی ہے شوہر کا درجہ عورت کے لئے ایشور سے بھی اونچا ہے یعنی پرمیشور ہے۔

بہت سی ہندوستانی مسلم خواتین اپنے حقوق سے ناواقفیت کی وجہ سے ظلم وستم کا شکار ہو رہی ہیں۔ وہ سمجھتی ہیں کہ ان کا کام صرف گھر کی چہار دیواری کے اندر عمر کاٹنا ہی ایک بڑی خوبی ہے۔

اس لئے لازمی ہے کہ لڑکیوں کو اور خواتین کو دینی اور اخلاقی تعلیمات اور حقوق و فرائض کی جانکاری دی جائے یہ ایک مسلم حقیقت ہے کہ کسی بھی نظام کو قاعدہ سے چلانے کے لئے ایک ناظم کی ضرورت ہوتی ہے جو قوام یا سربراہ کہلاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ بڑا حکیم و دانا ہے اس

نے نظام کی صحت کے لئے مرد کو قوام بنایا۔ الرجال قوامون علی النساء بما فضل الله بعضهم علی بعض وبما انفقوا من اموالهم (النساء:۳۴)۔

''مرد عورتوں پر قوام ہیں کیونکہ اللہ نے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے اور اس وجہ سے کہ وہ اپنے مال خرچ کرتے ہیں''۔

اللہ تعالیٰ کو جس سے جیسا کام لینا تھا اس کو ویسی ہی صلاحتیں عطا فرمائیں ہیں۔

یہ ایک مسلم حقیقت ہے کہ اسلام نے صنف نازک کو جتنے حقوق دلائے ہیں اس کی مثال کہیں اور نہیں نظر آتی بلکہ اسلام نے ہی عورت کو سربلند کیا ہے۔ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِیْ عَلَیْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ وَلِلرِّجَالِ عَلَیْهِنَّ دَرَجَةٌ وَاللّٰهُ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ (البقرہ:۲۲۸)۔

''عورتوں کے لئے بھی معروف طریقے پر ویسے ہی (حقوق) ہیں جیسے مردوں کے ان پر ہیں اور مردوں کے لئے ان پر ایک درجہ زیادہ ہے اور اللہ غالب اور حکمت والا ہے''۔ اس کے ہر امر میں زبردست دانائی اور مصلحت وحکمت ہے۔

اسلام میں حقوق وفرائض اور کسب وعمل کی بنیاد پر عورت اور مرد مساوی ہیں۔ جزاء وسزا کی بنیاد عمل ہے۔

للرجال نصیب مما اکتسبو او للنساء نصیبٌ مِمَّا اکتَسَبْنَ (النساء:۳۲)۔

''مردوں کے لئے حصہ ہے جو کچھ انہوں نے کمایا اور عورتوں کے لئے ہے جو کچھ انہوں نے کمایا''۔

جبکہ آج بیسویں صدی کے آخری دور میں ترقی کے اس عروج کے زمانہ میں عورت کو کچھ غیر شعور سماج کے ٹھیکیداروں نے پنکچر پہیا ثابت کر دیا۔

ٹی وی پروگرام ''سر کھو'' ۱۹۹۵ء میں بتایا گیا تھا کہ لڑکیوں کو شادی کے بعد کس طرح رہنا چاہئے۔ سسرال میں سب کے ساتھ کیا طریقہ اور انداز اختیار کرنا ہوگا اس سلسلے میں ۵ دن کی تربیت دہلی میں دی جاتی ہے جبکہ اس مسئلے پر لڑکوں کے لئے کسی تربیت کی ضرورت محسوس نہیں کی

گئی۔ گویا عورت گاڑی کے دو پہیوں میں سے ایسا پہیا ہے جسے مرمت کی ضرورت ہے اور مرد ان کے حساب سے مکمل ہے اسے کسی تربیت کی ضرورت نہیں۔ عجیب بات ہے۔

جبکہ اسلام میں مرد اور عورت دونوں کے حقوق کی وضاحت کی گئی ہے شوہر کے حقوق سے زیادہ یہ تفصیل نظر آتی ہے کہ عورت کے مرد پر کتنے حقوق ہیں اور اس کو نکاح وطلاق کے سلسلے میں تفصیل کے ساتھ ہدایات دی گئی ہیں۔ حقوق وفرائض اور اصول وقوانین سے دونوں کو فیضیاب کیا گیا ہے۔ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ جب دونوں ہی اپنے اپنے حقوق وفرائض کو پہچان کر نسل انسانی باشعور اور حس دار کنبہ اور سماج قومی اور بین الاقوامی سطح پر رونما ہوگا۔ اثر پذیر ہونے کے ساتھ ساتھ اثر دار بھی ہوگا۔

آج ۲۱ ویں صدی کے عنوان پر گرل چائلڈ کا مسئلہ ابھرا ہے کیونکہ اب تک بلکہ ابھی تک لڑکیوں کو پیدا ہونے تک کا حق نہیں ہے۔

اسلام نے اسی طرح کے ظلم وجبر کو روکنے کے لئے اسقاط کی سخت مذمت کی ہے۔ سورۃ تکویر میں فرمایا گیا ہے:

''اور جب زندہ گاڑی ہوئی لڑکی سے پوچھا جائے گا کہ تو کس جرم میں قتل کی گئی یعنی دختر کشی کرنے والا باپ اتنا مغضوب ہوگا کہ اس کے جرم کے سلسلے میں اللہ کو اسے مخاطب کرنا تک ناپسند ہوگا''۔

ابھی تک سماج میں عام طور سے لڑکیوں کو ابھرنے کا موقع نہیں دیا جاتا۔ نقطۂ اعتدال بہت کم پایا جاتا ہے۔ یا پھر یہ حالت ہے کہ آزادی ومساوات کے نام پر اس کا اصل مرتبہ واعزاز بھی چھین لیا جاتا ہے۔

کس قدر کم سمجھی کی بات ہے کہ ملک وملت کے لئے نئی نسلوں کو تیار کرنے والی عورت کو آج بھی اکثر گھرانوں میں اچھی غذا کا مستحق نہیں سمجھا جاتا۔

اسلام نے لڑکے اور لڑکی کی غذا میں فرق کو ناپسند کیا۔ دور جاہلیت کے انداز فکر کا

الانعام ۱۴۰ میں اس طرح ذکر کیا ہے "اور یہ بھی کہتے کہ جوان چوپایوں کے پیٹ میں ہے وہ خاص ہمارے مردوں کے لئے ہے اور ہماری عورتوں کے لئے منع ہے اور اگر وہ مرا ہوا ہو تو سب اس میں شریک ہوں (یعنی مردار کو عورتیں بھی کھا سکتی ہیں) عنقریب خدا ان کو ان کے ڈھکوسلوں کی سزا دے گا۔

فرمایا اپنی اولاد کو ناداری کے ڈر سے قتل مت کرو (الانعام: ۱۴۰-۱۴۱)۔

اسلام نے عورت کو تاڑن کا ادھیکاری نہیں بتایا۔

اسلام نے سکھایا کہ مقصد حیات کے لئے عورت اور مرد دونوں لازم وملزوم ہیں۔

عورت چمن گیتی کی روح رواں قرار دی گئی۔ضرورت اس بات کی ہے کہ عورتیں خود اپنا مقام پہچانیں۔علم وہنر سے آراستہ ہوں۔خود اعتمادی کا جوہر ان کا گہنا ہو صرف سونے اور چاندی کے گہنوں سے مزین ہو کر خوش نہ ہوں۔مرد بھی اپنے مروجہ انداز فکر کو بدل کر قرآنی تعلیمات پر غیر جانب دارانہ طریقہ اختیار کریں۔

ترقی کا نام روشن خیالی حق شناسی وسیع النظری اور حد اعتدال، امن وآشتی اور عدل و انصاف کو ہر معاملہ میں مدنظر رکھنے کا نام ہے۔لاشعوری طور پر حدود کو پار کرنا نہیں۔

فرانس کا عریاں کلب دور جاہلیت کا عکس ہے یونان کی فلوراریسن کا تازہ نمونہ ہے۔

اشتہارات کا انداز بھی بدلنا ہوگا کیونکہ سینما اور اشتہارات نے بھی عورت کی ہستی کا بہت غلط استعمال کیا ہے۔ان کو ان کی نزاکت اور لطافت اور اعزاز سے پست تر کر دیا ہے۔

فرمان رسول ﷺ ہے طَلَبُ الْعِلْمُ فریضة علی کُلِّ مُسْلِمٍ ومسلمه (الجامع الصحیح کتاب العلم)۔

علم کے معنی معلومات جانکاری ہے یہ جانکاری معلومات لفظ بڑی وسعت رکھتا ہے۔کتابی علم سے لے کر ہر قسم کا ہنر، فن وصنعت گری اس میں شامل ہے۔

آج عورت کی کمزوری کی وجہ لاعلمی اور کم عقلی ہے، تعلیم اور فنون سے بے بہرہ

ہونا ہے۔ معاشی طور پر باہنر اور خود کفیل نہیں ہے۔ اس کو سماج میں اپنا اصلی مقام پانے میں کوششیں وسعی کرنی ہوگی۔ مناظرات اور علمی مقابلوں میں زمانہ قدیم سے خواتین حصہ لے رہی ہیں۔ حضرت سکینہ اپنے وقت کی باکمال اور عالمہ تھیں۔ علماء اور اتقیاء کی مجلسوں میں شرکت مرغوب تھی۔ شیخہ شہدہ جن کا لقب فخر النساء تھا۔ بغداد کی جامع مسجد میں ادب، بیان اور بلاغت وشاعری پر بڑے بڑے اجتماعات سے خطاب کرتی تھیں۔

کمبوڈیا میں دسمبر ۱۹۹۵ء میں قراۃ کا مقابلہ ہوا۔ قاریوں کے ساتھ ساتھ قاریات نے بھی حصہ لیا۔ اسی طرح اور بھی مسلم خواتین اسلامی قدروں کی قدر کرتے ہوئے بڑے عہدوں پر فائز ہیں۔ مثال کے طور پر ہندوستان کی پہلی خاتون جج محترمہ فاطمہ بی تھیں۔

شریعت اسلامی کی رو سے بھی خواتین اقتصادی میدان میں حصہ لے سکتی ہیں۔ جناب بی بی خدیجہؓ ملکہ تجارت کہلاتی تھیں اور آپ کا تجارتی مال دوسرے شہروں میں بھی جاتا تھا۔ درآمد اور برآمد دونوں کام ہوتے تھے۔ نبی کریم ﷺ کی ایک حدیث بھی ایسی نہیں ہے کہ آپ ﷺ نے کبھی اس تجارت کو منع فرمایا ہو یا ناپسندیدگی کا اظہار کیا ہو۔

آج ضرورت اس بات کی بھی ہے کہ خواتین کو نرسنگ کی تربیت اور جنگی تعلیم دی جائے۔ ۳ھ غزوہ احد کا واقعہ ہے حضرت ام سلیطؓ نے مسلم خواتین کے ساتھ میدان جنگ میں زخمی سپاہیوں کو پانی پلانے، مرہم پٹی کرنے اور ضرورت پیش آنے پر خیموں تک پہنچانے کا کام بھی کیا۔

خواتین کو چاہئے کہ مختلف قسم کی سواریاں چلانا سیکھیں تاکہ دوسروں کی محتاج نہ رہیں۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ جنگ جمل میں اونٹ پر سوار تھیں اور سپہ سالاری کا عہدہ سنبھالے ہوئے تھیں۔ حضرت عمرؓ کے دور خلافت ۱۵ھ جنگ قادسیہ میں ۶۰ مجاہد خواتین نے میدان جنگ میں جہاد کیا۔ جنگی مہارت کے ساتھ ساتھ گھوڑوں اور اونٹوں پر سواری کرنے کی بھی مہارت تھی۔

علم وہنر صنعت وحرفت اور دست کاری سیکھنے میں خواتین خود حصہ لیں۔ عظیم مفسرہ اور

حافظہ قرآن کریم ام المومنین حضرت عائشہؓ کے پاس دنیا بھر سے لوگ طرح طرح کے مسائل معلوم کرنے آتے تھے اور آپ تفصیل کے ساتھ جواب دیتی تھیں۔

نظام وراثت کو قانون کے تحت ترویج دی جائے۔ اپنے حقوق حاصل کرنے کے لئے خواتین کو چاہیئے کہ نکاح وطلاق اور وراثت کے قوانین کی اچھی معلومات رکھیں یہ ایک مسلم حقیقت ہے کہ ان معاملات میں جس قدر آسانیاں اسلام نے دی ہیں اتنی کہیں بھی نہیں ہیں۔

عورتیں محض مردوں کا ضمیمہ نہیں۔ ان کی خود باوقار حیثیت ہے۔ اپنے طریق زندگی کی وہ خود جواب دہ اور ذمے دار ہیں۔ انہیں خدا کے سامنے جواب دہ ہونا ہے کہ وہ کس طریقے پر کیا سوچ کر چلتی رہی ہیں۔ فرمان الٰہی ہے:

لا تظلمون و لا تظلمون (البقرہ:۲۷۹)۔

''نہ ظلم کرو اور نہ ظلم سہو''۔

پہلی جنگ عظیم ۱۹۱۶ء میں ترکی کے مرد جنگی محاذ پر تھے ملک کے بیرونی راستے تقریباً گھر چکے تھے۔ عورتیں ہی اقتصادی پیداوار کی ذمہ دار تھیں۔ جنگی محاذ کے پیچھے کافی بڑی تعداد میں عورتوں کی بٹالین لگائی پڑی تھی۔ فوج کا راشن کپڑا وغیرہ عورتیں ہی مہیا کرتی تھیں۔ تعلیم و تجربہ میں عورتیں اس قدر ترقی کر چکی تھیں کہ وہ حکومت کے کاموں کو بخوبی چلا رہی تھیں۔

جناب عمرہ بنتؓ طبیخ ضرورت کا سامان بازار سے لاتی تھیں۔ حضرت اسماء بنتؓ مکرمہ عطر کی تجارت کرتی تھیں۔ جناب جابر بن عبداللہ کی خالہ محترمہ صحابیہ رسول ﷺ تجارت کرتی تھیں۔ حضرت عبداللہ بن مسعود کی بیوی محترمہؓ کھلونے بنانا جانتی تھیں۔ اس تجارت کا ذکر انہوں نے نبی ﷺ نے کیا اور عرض کیا کہ اس تجارت سے میں گھر اور بچیوں کا خرچ چلاتی ہوں تو نبی کریم ﷺ نے ان کو اجر وثواب کی خوشخبری سنائی (بخاری مسلم)۔

اپنے حقوق کے حصول اور تحریک وعمل کے زندہ رکھنے کے لئے انسانیت اور حسن اخلاق کا خیال رکھنا بھی لازم ہے تاکہ مزاج میں خود پسندی خودغرضی اور تنگ نظری شامل نہ ہو۔

حقوق حاصل کرنے کی دوڑ میں فرائض پامال نہ ہوں۔

بیجینگ میں ہونے والی بین الاقوامی کانفرنس میں ایک انوکھی اور معمولی درجہ کی بات رونما ہوئی وہ یہ کہ غیر قانونی تعلقات قائم کرنے اور انسانیت سے گرے ہوئے قانون بنانے کی کچھ مانگیں کی گئیں لیکن اس سلسلے میں وہاں کسی نے بھی مخالفت میں چند الفاظ نہ کہے۔

کسی زبان کو پڑھنا اور کسی قوم کی کوئی بات یا ہنر سیکھنا اسلامی نظریہ کے خلاف نہیں۔

کامیاب سماجی، معاشی اور اقتصادی جدوجہد کے لئے جفاکشی، ہمت واستقلال، عقل وشعور، سادگی، بیدار مغزی، ایثار وقربانی ترقی پسند نظریہ کی ضرورت ہوتی ہے اور یہ تمام صفات اللہ تعالیٰ نے عورت میں ودیعت کئے ہیں۔ ضرورت ان صلاحیتوں کے صحیح استعمال اور مواقع فراہم کرنے کی ہے۔

متوازن طور سے اگر عورت اپنی صلاحیتوں کا استعمال کرے تو اس کی ہمت وجرأت شکست خوردہ نہیں ہوسکتی۔ باوقار عورت انسانیت کی بقاء اور پرسکون ماحول کی راحت وفرحت کے لئے موج رواں ہے۔

''مومنات کی جماعت اور امامت''

عبادت سے اللہ تعالیٰ اور بندے کے تعلق کو استحکام نصیب ہوتا ہے۔ یہ عبد کا اپنے معبود سے بندگی کا گہرا اظہار ہے۔عبادت سے لاپرواہی اور کاہلی اس تعلق کو کمزور کر دیتی ہے۔ رب العالمین کا فرمان ہے''فَاذْکُرُوْنِی اَذْکُرْکُمْ واشْکُرُوْنِی وَلاَ تَکْفُرُوْنَ (البقرہ:۱۵۲)۔

''سوتم مجھے یاد کرو میں تمہیں یاد کرونگا اور میرا شکرادا کرتے رہنا ناشکری مت کرنا''۔

عبادات مردوں اور عورتوں دونوں پر لازم ہے۔اجروثواب کے لحاظ سے بھی مرد اور عورت میں کچھ فرق نہیں ہے''۔

اِنَّ الْمُسْلِمِیْنَ وَالْمُسْلِمٰتِ وَالْمُومِنِیْنَ وَالْمُومِنَاتِ وَالْقٰنِتِیْنَ وَالْقٰنِتٰتِ وَالصّٰدِقِیْنَ وَالصّٰدِقٰتِ وَالصّٰبِرِیْنَ والصّٰبِرٰتِ وَالْخٰشِعِیْنَ وَالْخٰشِعٰتِ وَالْمُتَصَدِّقِیْنَ وَالْمُتَصَدِّقٰتِ وَالصَّآئِمِیْنَ وَالصّٰئِمٰتِ وَالحٰفِظِیْنَ فُرُوْجَهُمْ وَالحٰفِظٰتِ وَالذّٰکِرِیْنَ اللہ کَثِیْراً وَّالذّٰکِرٰتِ اَعَدَّ اللّٰہُ لَهُمْ مَغْفِرَۃً وَّ اَجْراً عَظِیْماً (الاحزاب:۳۵)۔

''مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں اور مومن مرد اور مومن عورتیں فرماں بردار مرد اور فرماں بردار عورتیں راست باز مرد اور راست باز عورتیں اور صبر کرنے والے مرد اور صبر کرنے والی عورتیں فروتنی کرنے مرد اور فروتنی کرنے والی عورتیں اور خیرات کرنے والے مرد اور خیرات کرنے والی عورتیں روزے رکھنے والے مرد

اور روزے رکھنے والی عورتیں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرنے والے مرد اور حفاظت کرنے والی عورتیں اور اللہ کو کثرت سے یاد کرنے والے مرد اور یاد کرنے والی عورتیں کچھ شک نہیں کہ ان کے لئے اللہ نے بخشش اور اجر عظیم تیار کر رکھا ہے''۔

حضور اکرم محمد ﷺ کی تعلیمات کے اثر سے مومنات میں عبادت کا بڑا شوق اور اہتمام ہوا۔ امہات المومنین میں یہ ذوق سب سے آگے تھا۔

ام المومنین حضرت زینبؓ کے بارے میں حضرت ام سلما کا قول ہے کہ وہ بہت زیادہ روزہ رکھنے والی اور شب بیدار خاتون تھیں (ادب المفرد)۔

اسی طرح امہات المومنین اللہ تعالیٰ کی فرماں برداری اور عبادت میں اور اللہ کے رسول ﷺ کی پیروی پر کمر بستہ رہتی تھیں۔

عبادات میں نماز سب سے اہم اور بڑا رکن ہے قرآن کریم میں تمام عبادتوں میں صلوٰۃ کا ذکر سب سے زیادہ ہے۔ ایمان کے دائرہ میں شامل ہونے کے بعد سب سے پہلے نماز کا مسئلہ آتا ہے۔ نماز پڑھنے کی فکر اور کوشش کفر اور اسلام کے فرق کو واضح کر دیتی ہے۔

خواتین کے لئے مسجد میں سب کے ساتھ جماعت میں شریک ہو کر نماز ادا کرنا واجب نہیں ہے لیکن منع بھی نہیں ہے۔ صرف اجازت ہے۔ شریعت اسلام نے عورتوں کو مسجد میں جا کر نماز پڑھنے سے روکا نہیں لیکن یہ بھی بتا دیا کہ خواتین کے لئے گھر پر نماز پڑھنا افضل اور بہتر ہے۔

مسجد میں عورتوں کا باجماعت نماز پڑھنا اور جمعہ وعیدین کی نمازوں میں شریک رہنا اللہ کے رسول ﷺ کی حیات پاک میں جاری رہا۔ رسول اللہ ﷺ کی احادیث شریفہ سے اس مسئلہ کی وضاحت اور اچھی طرح ہو جاتی ہے۔

لا تمنعوا النساء کم المساجد وبیوتھن خیر لھن (سنن ابی داوٗد کتاب الصلوٰۃ باب خروج النساء الی المساجد)۔

''اپنی عورتوں کو مسجد جانے سے نہ روکو اور ان کا گھر ان کے لئے بہتر ہے''۔

لا تمنعوا اماء اللہ مساجد اللہ (مسلم کتاب الصلوٰۃ باب خروج النساء الی المساجد)۔

اللہ کی بندیوں کو اللہ کی مسجد سے نہ روکو"۔

لا تمنعوا النساء من الخروج الی المساجد باللیل (مسلم کتاب الصلوٰۃ، باب خروج النساء الی المساجد)۔

"عورتوں کو رات کے وقت مسجد کے لئے نکلنے سے مت روکو"۔

حضور اکرم ﷺ کی ایک اور حدیث خواتین کی نماز کے سلسلے میں اس طرح ہے۔

صلاۃ المراۃ فی بیتھا افضل من صلاتھا فی حجرتھا وصلاتھا فی مخدعھا افضل من صلاتھا فی بیتھا (سنن ابی داوٗد)۔

"عورت کی نماز اپنے گھر میں صحن کی نماز سے افضل ہے اور اس کوٹھری کی نماز گھر کی نماز سے افضل ہے"۔

خلیفہ دوم حضرت عمر فاروقؓ نے کچھ حالات کے پیش نظر عورتوں کو مساجد میں نماز پڑھنے کے لئے ہمت افزائی نہیں کی تب سے مساجد میں عورتوں کی حاضری کم ہوتی چلی گئی۔ لیکن بیت اللہ اور مسجد نبوی میں خواتین برابر جماعت سے نماز ادا کرتی چلی آرہی ہیں۔

موجودہ دور میں خواتین کی نماز کے سلسلے میں کچھ مفتی حضرات کا خیال ہے کہ خواتین کو مساجد میں نماز پڑھنے سے نہ روکا جائے۔

دوسرے علماء کا فتویٰ (دیوبند وغیرہ) ہے کہ عورتیں مساجد میں نماز نہ پڑھیں کیونکہ فتنہ کا اندیشہ ہے۔ پہلی رائے بھی درست ہے کیونکہ وہ بھی احادیث نبویؐ کے مطابق ہے۔

علماء حضرات کی دوسری رائے کی مثال ایسی ہے جیسے کہ ہر شہری کا گھروں سے باہر آنا جانا، کاروبار کرنا وغیرہ حرکات وسکنات قانونی طور پر بنیادی حقوق میں سے ہیں اور ان سے کوئی کسی کو روک نہیں سکتا۔ لیکن ہنگامی حالات کے تحت، فساد کی روک تھام کی خاطر سے ان سب باتوں اور کاموں پر روک لگا دی جاتی ہے۔ بلکہ کبھی کبھی تو دیکھتے ہی مارنے کا حکم بھی نافذ کر دیا جاتا ہے۔

آج کل اکثر علاقوں میں جنگل راج ہے۔ بہت سے سربراہ بھی اس لائق نہیں رہے کہ

ان کو رہنما یا امیر کہا جائے۔ اسلامی حدود و تعزیرات کا انعقاد نہیں ہو رہا ہے۔ جرائم پروان چڑھ رہے ہیں۔

دوسرے خود خواتین کا طرز معاشرت اسلامی تعلیمات کے مطابق کافی حد تک نہیں رہا ہے۔ نہ چادر ہے نہ ہی لباس مکمل و مناسب ہے۔ میک اپ اور خوشبوؤں کے استعمال کی کثرت ہے۔ اس انداز سے مسجد میں جا کر نماز ادا کرنے میں یقیناً بد خصلت لوگوں کو موقع فراہم کرنا ہے بلکہ نیک نیتوں کی بھی آزمائش کا مسئلہ ہے۔ یعنی جن کے دلوں میں مرض ہے (برائی کا) وہ مرض تو بڑھنے کا خوف ہے ہی اور جن کے دلوں میں مرض نہیں ہے ان کے دلوں میں ایسے حالات میں وائرس (بیماری کے کیڑے) داخل ہونے کا ڈر ہے جو خود خواتین کے لئے بھی مضر ہے۔

اگر اسلامی طرز کا لباس ہو۔ چادر حجاب کا استعمال ہو، مسلمانوں کا قرآن کریم اور احادیث رسولؐ کے مطابق انداز فکر ہو تب تو ظاہر ہے کہ مساجد میں خواتین جماعت سے نماز پڑھ لیں تو کچھ مضائقہ نہیں گو ثواب گھر میں پڑھنے پر زیادہ ہے۔

امریکہ اور دوسرے یورپین ممالک میں بہت علم داں اور قابل مسلمان بھی ہیں لیکن امریکہ کے کچھ مسلمانوں نے جو علم دین کی یقیناً کم معلومات رکھتے ہیں انہوں نے عورتوں کو مسجد میں امامت کرنے کی ترغیب دی اور ۲۰۰۵ء میں ایک عورت کی امامت میں نماز بھی ادا کی اور اس امر کو مساوات کا کھوکھلا نام بھی دیا۔

اسلام کے اصول نہایت آسانی سے عمل میں آنے والے اور ہر ایک مرد و زن کی بہتری کے حساب سے ہیں۔

اگر خواتین کی امامت ہوتی تو خواتین کے مختلف قدرتی ادوار کے تحت اچانک کبھی کبھی پوری جماعت کی نماز فاسد ہو جاتی۔ ہر مہینہ اور کچھ ولادت وغیرہ کی مدت کے لئے مستقل امام کے تقرر کا مسئلہ چھڑا رہتا۔ آج یہ امام ہے کل وہ، اس وقت یہ اس وقت کون؟

بچوں کا والد قوام ہونے کے ناطے نان نفقہ کی ذمہ داری کی وجہ سے نوکری یا کاروبار

پر ماں امامت کرنے کے لئے پانچ وقت یا پابندی سے سردی گرمی برسات مسجد میں گھر پر غیر محفوظ حالت میں چھوٹے بچے روتے پیٹتے، عجیب وغریب حال ہو جاتا۔ معاشرہ کا شیرازہ بکھر جاتا اگر مساجد میں عورت کی امامت کی اسلام میں اجازت عام ہوتی۔ عورت کی مساجد میں امامت قرآن کریم، احادیث رسولؐ، آثار صحابہ، تابعین تبع تابعین کسی سے بھی ثابت نہیں ہے۔

علم دین سے ناواقف اغیار کی تہذیب وثقافت سے متاثر ہوکر بہت لوگ دینی معاملات کو اپنے خیالات کے مطابق طے کرنا چاہتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو روشن خیال کہنا غلط ہے۔ وہ اپنے دائرہ میں مقید ہیں۔ اپنے حساب سے سوچتے ہیں ایسے لوگ وسیع النظر اور ترقی پسند نہیں ہوتے ہیں۔ انہیں لوگوں کی وجہ سے میڈیا کو دینی امور کے سلسلے میں غلط معلومات پہنچتی ہے۔

البتہ خواتین کی امامت خواتین کرسکتی ہیں۔ اپنے ہی گھروں میں، اس کی گنجائش اسلامی شریعت میں ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے ایک صحابیہ حضرت ام ورقہؓ کو اپنے اہل خانہ کی امامت کی اجازت دی تھی۔

کان رسول اللہ ﷺ امر ھاتوم اھل دارھا (سنن ابی داؤد، کتاب الصلوۃ، باب امامۃ النساء)۔

”اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا تھا کہ وہ اپنے گھر والوں کی امامت کریں“۔

ام ورقہ بنت عبداللہ بن نوفل انصاریہؓ فرماتی ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ غزوہ بدر میں جانے لگے تو میں نے گذارش کی کہ اللہ کے رسول مجھے بھی اپنے ساتھ جہاد میں جانے کی اجازت دیجیے، میں آپ ﷺ کے زخمیوں کی خدمت کرونگی، شاید اللہ مجھے بھی شہادت عطا فرمائے۔ آپ نے فرمایا تم اپنے گھر میں رہو اللہ تم کو شہادت کا درجہ دے گا۔ راوی کہتے ہیں کہ ان کو اسی وجہ سے شہیدہ کہا جانے لگا تھا۔ اللہ کے رسول ﷺ نے ان کو موذن رکھنے بھی اجازت فرمائی تھی۔ راوی

حدیث حضرت عبدالرحمٰن کے قول کے مطابق: رایت موزنھا شیخا کبیرا ''میں نے ان کے موذن کو دیکھا بہت بوڑھے تھے'' (ماخوذ از ابی داؤد)۔

حدیث سے یہ بات بالکل صاف سمجھ میں آتی ہے کہ آپ ﷺ نے صحابیہ ام ورقہؓ کو اپنے گھر میں امامت کی اجازت دی تھی نہ کہ مسجد میں۔

نماز میں خشوع وخضوع لازمی ہے۔ اگر عورت مردوں کی امامت کرتی تو یقیناً عبادت میں خلل پڑتا۔ نہ ہی خشوع وخضوع باقی رہتا بلکہ بہت سے لوگوں کی تو نماز ہی خطرے میں پڑ جاتی۔

اللہ رب العزت کے احکام، نبی کریم ﷺ کی احادیث وسنن، صحابہ کرام اور سلف صالحین کی تابع داری میں ہی مومنین اور مومنات کو دنیا اور آخرت میں سکون نصیب ہو سکتا ہے۔ مسلمین کے لئے یہی بڑی کامیابی ہے۔

''اسلام ہی نے خواتین کے اعتماد کو جگایا''

آج کل یہ بات دیکھی جارہی ہے کہ یورپ، امریکہ، جاپان اور ہندوستان کے بڑے شہروں جیسے دہلی، ممبئی اور کلکتہ وغیرہ کی غیر مسلم خواتین اسلام کی طرف مائل ہورہی ہیں اور کچھ اسلام قبول کر چکی ہیں۔ یہ بات مشاہدہ کی بنیاد پر لکھی ہے۔

اسلام خواتین کی عصمت وعفت کا محافظ ہے۔ اس کے اپنے وجود کی الگ ایک اہمیت کا احساس دلاتا ہے۔ مرد وعورت دونوں کے آپسی پرخلوص میل ومحبت سے دنیا کے حسن میں اضافہ کرنا چاہتا ہے۔ اسلام میں نہ مرد بھگوان ہے نہ عورت پجارن ہے۔ نہ ہی اسلام اس کی اجازت دیتا ہے کہ نکاح کے علاوہ کسی اور طریقے سے تعلق قائم کیا جاسکے۔ نہ میتری کرن ہے۔ نہ دیوداسیوں کا چلن ہے۔ سیدھی سادی صاف ستھری طرز زندگی ہے۔ اسلام کی خوبیاں ان کے جذب وکشش کا باعث ہیں۔

کچھ نومسلم خواتین سے گفتگو بھی کی، وہ چاہتی ہیں کہ مسلمان لڑکے سے شادی کریں کیونکہ مسلم مرد کے دل مقابلتاً نرم ہوتے ہیں وہ آخرت کی جواب دہی سے ڈرتے ہیں اور عام طور سے ایک ہی بیوی پر اکتفا کیے رہتے ہیں۔ اس کے علاوہ مسلمانوں کے یہاں گھر پر ہی رات بتانے کا دستور ہے۔ نشہ اور دوسری سماجی واخلاقی خرابیوں سے مسلمانوں کی اکثریت بچی ہوئی ہے۔

مالدار ہوں یا صرف دال روٹی سے خوش ہوں یا غریب نہ دن رات کا ہنگامہ ہوتا ہے نہ

عورت کے سلسلہ میں بے حسی نظر آتی ہے۔ بلکہ سکون اور آپسی میل محبت، محبت میں خلوص اور اپنائیت۔تھوڑا بہت نمک مرچ تو چاشنی میں ذائقہ کو بڑھاتا ہے وہ الگ بات ہے۔

مختصر یہ کہ غیر مسلم خواتین اسلام کی طرف اس لئے بھی مائل ہو رہی ہیں کہ اسلام انہیں آزادی عطا کرتا ہے۔ان میں اپنے وجود کے بحال ہونے کی امید جاگتی ہے۔ وہ دیکھتی ہیں کہ اسلام خواتین کو پتنی (جس کا پتن کر دیا گیا ہو) نہیں بناتا ہے۔نہ وہ دولت اور اشیاء کے دائرے میں رکھی جاتی ہیں۔ ابھی تک ۲۱ ویں صدی میں دوسروں کے رواج کی طرح نہ دان کی جاتی ہیں۔ظاہر ہے ہر تہذیب کی رو سے جو چیز دان کر دی جاتی ہے اس پر دان کرنے والے کا کوئی اختیار نہیں رہتا۔جس کو دان دیا جاتا ہے پورے طور پر ہی قانونی اور اخلاقی طور سے مال کا مالک ہو جاتا ہے اس کا جو چاہے وہ کرے۔

اسلام نے خواتین میں اس حد تک اعتماد جگایا کہ خود رسول اللہ ﷺ کے سامنے حضرت اسماء بنت یزید انصاری مدینہ کی مسلمان خواتین کی طرف سے نمائندہ کی حیثیت سے آتی ہیں۔ مجلس میں صحابہ کرام بھی موجود ہیں۔

عرض کیا ''میرے ماں باپ آپ ﷺ پر قربان۔ میں مدینہ کی خواتین کی طرف سے نمائندہ بن کر حاضر ہوئی ہوں۔ہم عورتوں کا یہ کہنا ہے کہ اللہ رب العزت نے آپ ﷺ کو مردوں اور عورتوں دونوں کی طرف مبعوث فرمایا ہے۔آپ ﷺ صرف مردوں کے نبی نہیں ہیں۔ بلکہ ہم عورتیں بھی اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ پر ایمان لائی ہیں۔ہم اپنے گھروں میں محدود رہ کر مردوں کی جنسی خواہشات پوری کرتی ہیں اور ان کے بچوں کو اپنے پیٹوں میں پالتی ہیں۔اس کے باوجود تمام مقدس، باعظمت اور قابل قدر اجر و ثواب کے اعمال مردوں ہی کے لئے مخصوص ہیں اور ہم (عورتیں) ان سے محروم ہیں (جیسے نماز جمعہ، نماز جماعت، نماز جنازہ، کیونکہ یہ عورتوں کے لئے موکدہ نہیں ہیں)۔مریضوں کی عیادت، جہاد فی سبیل اللہ کی فضیلتیں مردوں کو حاصل ہیں۔ہم عورتیں حج یا جہاد پر جانے والے مردوں کے مالوں کی نگہبانی کرتی ہیں۔ہم ان کے لباس کے

لئے چرخہ کات کر دھاگا تیار کرتی ہیں۔ ہم ان کے بچوں کی تربیت کرتی ہیں۔ یہ تکالیف جب ہمیں ان مردوں کے افضل کاموں میں شریک ہونے کی خاطر جھیلنی پڑتی ہیں تو آخر ان مقدس اور فضیلت والے اجر و ثواب کے اعمال میں ہمارا حصہ کیوں نہیں ہے ہم اس سے محروم کیوں ہیں؟

حضرت اسماء بنت یزید کی گفتگو سن کر آپ ﷺ کے چہرے انور ﷺ پر ایک مسکراہٹ آئی اور تحسین آمیز لہجے میں فرمایا: ''کیا تم لوگوں نے دینی امور سے متعلق اتنی مدلل اور حسین گفتگو ایک عورت کی زبان سے سنی ہے''۔

آپ ﷺ نے فرمایا عورت اگر اپنی گھریلو ذمہ داریاں بحسن خوبی ادا کرتی ہے اور اپنے شوہر کا خیال رکھتی ہے اور گھر کے ماحول کو تلخیوں سے پاک رکھتی ہے تو اس کا اجر و ثواب اور فضیلت ان تمام اعمال کے برابر ہوگا جنہیں صرف مرد انجام دیتے ہیں''۔

کچھ عرصہ پہلے اپنے شہر علی گڑھ ہی میں میرا ایک تقریب میں جانا ہوا۔ آس پاس بیٹھی ہوئی خواتین میں سے ایک صاحبہ نے مجھے کہنی کے اشارہ سے مخاطب کیا۔ اس کے بعد آنکھوں سے اشارہ کر کے ایک نوجوان لڑکی کو دکھانا چاہا۔

ان کی نگاہوں کے اشارہ میں کچھ تمدنی اور ثقافتی حسن محسوس نہ ہونے کی وجہ سے نظر انداز کرنے کی کوشش کی۔ پھر بھی ان سے خاموش نہ رہا گیا اور آہستہ آہستہ بولیں بہن، انہیں دیکھا شادی کو سال بھر ہی ہوا تھا ماں کے گھر آبیٹھی وجہ یہ بتاتی ہیں کہ میاں پسند نہیں آیا، اور خلع بھی لے لیا۔ بولیں: قیامت قریب ہے۔ اسلام میں تو یہ ہے کہ جہاں ڈولی جا کر اترے بس وہاں سے جنازہ ہی نکلے۔

افسوس کی بات یہ ہے کہ یہ پڑھے لکھے گھرانہ کا ذکر ہے۔ کسی بھی قوم کی زبان کے قول کا اردو ترجمہ کیا اور اس کو اسلام سے جوڑ دیا۔

اس وقت تو میں خاموش رہی کیونکہ میں نے دیکھا لڑکی کی والدہ کو ان کی سرگوشی کا کچھ احساس ہو چلا تھا اور وہ ان کو ناگواری سے دیکھ رہی تھیں۔

کچھ دیر کے بعد میں نے ان کی بات کی نفی کی اور کہا کہ لڑکی کو اگر اس کا شوہر پسند نہیں تھا اور اس وجہ سے اس نے خلع لے لیا۔ یا قاضی نے نکاح فسخ کرادیا تو یہ تو شرع کے مطابق ہے۔ اس میں غیر شرعی تو کچھ نہیں۔ میں نے کہا آپ نے صحابیہ رسول ﷺ حضرت بریرہؓ کا واقعہ تو سنا ہوگا۔

حضرت بریرہؓ جو حضرت عائشہؓ کی باندی تھیں ان کو حضرت عائشہؓ نے آزاد کردیا تھا، آزاد ہونے سے پہلے یہ ایک حبشی غلام حضرت مغیثؓ کے نکاح میں تھیں۔ جب آزاد ہوگئیں تو یہ جانتی تھیں کہ اب مجھے شرعاً یہ اختیار ہے کہ شوہر کے ساتھ رہیں یا اس سے علیحدگی اختیار کرلیں۔ اور فیصلہ کرلیا کہ ان سے علیحدہ ہونا ہے۔ ان کے شوہر حضرت مغیث کو ان سے بہت محبت تھی اور روتے تھے۔ جب حضرت بریرہ کسی طرح راضی نہ ہوئیں تو جناب مغیثؓ نے نبی آخر الزماں محمد ﷺ سے سفارش چاہی۔

پیغمبر اسلام محمد ﷺ نے حضرت بریرہؓ سے سفارش کی تو حضرت بریرہ نے عرض کیا:
''اللہ کے رسول! آپ سفارش فرمارہے ہیں یا حکم فرمارہے ہیں (گویا اگر یہ آپ ﷺ کا حکم ہے تو بسرو چشم) آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ لا بل اِشفع یعنی نہیں میں سفارش کررہا ہوں۔

اس پر حضرت بریرہ نے عرض کیا۔ لا اریدہ۔ میں ان کو نہیں چاہتی۔ حضور اکرم ﷺ نے نکاح فسخ کردیا۔

آج کہنے کو ترقی پسند اور ترقی یافتہ ہیں۔ اہل علم و دانش ہیں لیکن عورت کی اصل حالت سب جانتے ہیں۔

کیا کسی معقول متوازن معیاری معاشرے میں اس سے زیادہ خود مختاری کا تصور کیا جاسکتا ہے؟ یہ ہے اسلام کا وہ تحفہ جو دوسروں کے یہاں آج تک عورت کو میسر نہیں اور ان کی نقل میں خود بہت سے مسلمانوں نے معاشرہ میں اپنی تصویر مسخ کررکھی ہے۔

بالکل اسی طرح کا واقعہ جناب جمیلہ بنت ابیؓ اور ان کے شوہر ثابت بن قیسؓ کا ہے۔

اسلام نے عورت کو حق احتجاج بھی دیا ہے۔ حضرت عمرؓ کی زوجہ محترمہ جناب عاتکہ کو مسجد نبوی میں حاضر ہوکر باجماعت نماز ادا کرنا پسند تھا اور وہ اپنے حق پر مصر تھیں۔ دینی معاملات میں حضرت عمرؓ کس قدر خیال رکھتے تھے وہ اس بات کو کہ حضرت عاتکہ مسجد میں باجماعت نماز پڑھیں کچھ پسند نہیں کرتے تھے لیکن اس کے باوجود کوئی ایسا فیصلہ نافذ نہیں کرنا چاہتے تھے جسے عورتوں کی حق تلفی کے لیے لوگ مثال بنا سکیں۔ صنف نازک کے ایک ایسے حق کا مسئلہ جسے اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ نے سلب نہیں کیا شوہر کی پسند و ناپسند کے مسئلے پر مقدم تھا اور حضرت عاتکہؓ کا اصرار اپنے جائز حق کے لئے احتجاج تھا۔

اسلام سے پہلے بلکہ اس ۲۱ ویں صدی میں بھی بہت سی قوموں میں عورت کو مشورہ کے لائق نہیں سمجھا جاتا۔ ان کے یہاں صرف مرد اس کے لائق ہیں اسلام نے سکھایا کہ عورت کا مشورہ بھی اہمیت رکھتا ہے اور یہ اس کی فہم و فراست کی دلیل ہے۔

صلح حدیبیہ کا واقعہ ہے کہ جن شرائط پر قریش سے صلح ہوئی تھی اس سے اکثر صحابہ کرام ابتداء رنجیدہ خاطر تھے۔ ان میں سے ایک شرط یہ بھی تھی کہ مسلمان اس سال عمرہ کے بغیر واپس ہو جائیں۔ اس شرط کی وجہ سے حضور اکرم ﷺ نے صحابہ کرامؓ کو وہیں احرام کھولنے اور قربانی کے جانور جو ساتھ تھے ان کی قربانی کرنے کا حکم دیا۔ لیکن صحابہؓ اس درجہ متاثر تھے کہ اس حکم کی تعمیل میں آگے نہیں بڑھے۔ حضور ﷺ اپنے خیمہ میں تشریف لے گئے اور ام المومنین حضرت ام سلمہ سے اس کا ذکر فرمایا۔

ام المومنین نے نہایت موثر اور دانشمندانہ مشورہ دیا کہ آپ کسی سے مزید کچھ نہ فرمائیں۔ آپ ﷺ خود آگے بڑھ کر یہ امور ادا فرمائیں۔ حضور ﷺ نے حضرت ام سلمہؓ کے مشورہ پر عمل کیا تو تمام صحابہ کرامؓ نے آپ ﷺ کی پیروی میں فوراً بڑھ کر احرام کھولا قربانی کی۔

ابتداء میں جنازہ کی موجودہ شکل کا مسلمانوں میں رواج نہ تھا۔ حضرت اسماء بنت عمیس زوجہ محترمہ حضرت ابوبکرؓ نے اس کو اپنی ہجرت حبشہ کے زمانہ قیام میں نصاریٰ کے یہاں دیکھا

تھا۔ انہوں نے اس کا مشورہ دیا اور وہ قبول کیا گیا جو آج تک رائج ہے۔

اپنے مال پر عورت کی خودمختاری کی ایک تاریخی مثال بھی دیکھئے۔

ام المومنین حضرت صفیہ بنت حیؓ نہایت متقی اور پرہیز گار تھیں۔ رسول اللہ ﷺ کے خاندان میں حضرت صفیہ کے دسترخوان کی بڑی شہرت تھی۔ وہ فیاض تھیں مگر مصرف نہ تھیں۔ ۵۰ھ تک حیات رہیں۔ انہوں نے خاصی دولت پس انداز کر لی تھی۔ حضرت صفیہؓ کا ایک بھتیجا تھا وہ یہودی تھا۔ آپ ﷺ نے شریعت کی اس رعایت سے کہ ترکہ میں حصہ دار افراد کے سوا دوسروں کے حق میں بھی مال کے تہائی حصہ تک کی وصیت کی جا سکتی ہے۔ اس سے فائدہ اٹھاتے ہوئے حضرت صفیہ نے اپنی جائداد کا تیسرا حصہ اسی بھتیجے کے نام ہبہ کر دیا۔ اس پر بعض مسلمانوں نے اعتراض کیا لیکن حضرت عائشہؓ آڑے آئیں اور انہوں نے اصرار کیا کہ حضرت صفیہؓ کی وصیت پر عمل کیا جائے۔

احادیث شریفہ سے ثابت ہے اسلام نے عورت کو یہ اختیار بھی دیا ہے کہ عورت اگر مناسب سمجھے تو کسی کو اپنے گھر میں امان بھی دے سکتی ہے۔ کسی کی ضمانت اگر لینا ہو تو سمجھا جاتا ہے کہ یہ کام صرف مردوں کا ہے، لیکن تاریخ اسلام سے ثابت ہے کہ خواتین بھی ضمانت لے سکتی ہیں۔

حضرت علی کی خلافت کا دور تھا۔ مخالفین سے جنگ کا قصد کیا۔ اسی سلسلہ میں مدینہ کی اہم شخصیت عبداللہ بن عمیر نخعیؓ سے ساتھ دینے کا مطالبہ کیا، انہوں نے کچھ وجوہات کے تحت معذوری ظاہر کی۔ لیکن روانگی سے پہلے انہوں نے حضرت ام کلثومؓ بنت حضرت علیؓ سے کہا "میں جنگ میں تو شریک نہیں ہوسکتا۔ البتہ بقیہ تمام معاملات میں حضرت علیؓ کی اطاعت پر قائم ہوں"۔

اسی درمیان کچھ افواہ پھیل گئی۔ جس کی بنا پر حضرت علی شہسواروں کو ان کی گرفتاری کا حکم دینے لگے۔ حضرت ام کلثوم نے کہا آپ عبداللہ کے بارے میں سختی نہ فرمائیں۔ ان کے

بارے میں جو کچھ اطلاع آپ کو ملی ہے وہ غلط ہے۔ میں (جناب ام کلثومؓ) عبداللہ کی ضمانت لیتی ہوں۔ جناب علیؓ نے ام کلثوم کی بات پر اور ان کی ضمانت پر اعتماد کرتے ہوئے، اتنے اہم معاملہ میں اپنا فیصلہ تبدیل کر دیا۔

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ سے دور دراز قرب و جوار کے بہت سے لوگ عمومی مسائل و معاملات یہاں تک کہ اہم اور سیاسی مسائل تک میں آپ سے رجوع کرتے تھے۔ حضرت عثمان غنیؓ کی شہادت کے بعد سوال پیدا ہوا کہ کس کو خلیفہ بنایا جائے؟ اس اہم اور بنیادی مسئلہ کو لے کر بصرہ کی مشہور شخصیت اور اپنے قبیلہ کے سردار حنیف، حضرت زبیرؓ اور جناب طلحہ کے علاوہ حضرت عائشہؓ کی رائے کے بھی طلبگار ہوئے۔ جب ان تینوں حضرات کی رائے جناب علیؓ کے حق میں پائی تب حضرت علیؓ کے ہاتھ پر بیعت کی۔

اسلامی طرز حیات کی مجموعی گہرائی اور گیرائی باہمی ربط اور روحانیت کی ایسی صفات ہیں جو لوگوں کو الجھے ہوئے راستہ سے ہٹا کر سیدھے سلجھے ہوئے راستہ پر لا سکتی ہیں۔ لیکن ضرورت اس بات کی ہے کہ پہلے خود مسلمان اغیار کی اندھی پیروی سے ہٹ کر اپنی سوچ کو سلجھائیں تبھی سلجھانے کا ہنر اور اثر پیدا ہو سکے گا۔

ماخذ

۱- سیر النبی - عبدالملک بن ہشام

۲- الجامع الصحیح بخاری - محمد بن اسمٰعیل بخاری

۳- الجامع الصحیح مسلم - مسلم بن حجاج قشیری

۴- جامع ترمذی - ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ

۵- طبقات ابن سعد - ابن سعد

٦- تاریخ الرسل والملوک - امام طبری

”مسلم پرسنل لا، طلاق اور نفقہ“

قرآن کریم یعنی احکام رب العلمین اور ان کی تشریح اور وضاحت احادیث نبوی ہی اسلامی شریعت ہے بلاشبہ یہ قوانین انسان کی ہر اعتبار سے فلاح کے لئے ہیں۔اس کی عین فطرت کے مطابق ہیں۔معتدل، حکیمانہ، متوازن، مکمل جامع کافی، اور شافی ہیں نہ ان میں غلو ہے نہ حد سے گزرنے کی اجازت ہے۔خالق سے زیادہ مخلوق کی فطرت کو کون جان سکتا ہے۔

اجماع اور قیاس کی اس وقت گنجائش ہے جب کسی نئے مسئلے کے بارے میں قرآن کریم اور حدیث نبوی سے اس مسئلے کے حل کے سلسلے میں صریح حکم نہ ہو اور یہ حل بھی قرآن کریم اور احادیث نبوی کی روشنی میں ہی کئے جاتے ہیں۔

آج کل شوہر اور بیوی کے رشتے کے ٹوٹنے کی کثرت ہے۔اخبار اور رسائل کی اطلاع کے حساب سے یورپ اور امریکہ میں ۶۰ فی صدی سے زیادہ طلاق شدہ لوگ ہیں اب مسلمان بھی ان کی پیروی میں لگے ہیں۔جس کی وجہ دین سے دوری ہے اور نفس کی غلامی۔

طلاق سے انتشار برپا ہوتا ہے۔رشتے ٹوٹتے ہیں معاشرہ پر نئی نسل پر برا اثر پڑتا ہے۔ گھر اور کنبہ بکھر جاتا ہے۔پاکیزہ بندھن ٹوٹتا ہے۔یہی وجہ ہے کہ اسلام میں طلاق کو ناپسند کیا گیا ہے۔یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ شائستہ مسلم خاندانوں میں شاذ و نادر ہی کوئی طلاق کا واقعہ ہوتا ہے۔

نبی آخر الزماں ﷺ نے فرمایا: حلال امور میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک طلاق نہایت

مغضوب ہے۔یعنی عتاب اور اللہ کی ناراضگی کا باعث ہے(صحیح بخاری)۔

کیوں کہ بغیر سوچے سمجھے خود غرضی، لالچ طمع اور ظلم کی بنیاد پر دی گئی طلاقوں کی وجہ سے قوم کمزور ہو جاتی ہے۔خوف خدا کی بجائے اور فرمان الٰہی کی پیروی نہ کر کے وہ خواہشات کی غلامی اختیار کر لیتے ہیں۔

کثرت طلاق ہی کی وجہ کہ آج قوم میں فقیروں مانگنے والوں نفسیاتی مریضوں اور بھی دوسرے امراض میں مبتلا لاغر اور کمزور شہریوں کی کافی تعداد نظر آتی ہے۔غم وغصہ فکر اور دوسری پریشانیوں کی وجہ سے، عقل وسمجھ، صلاحیتوں اور قوت کا غلط استعمال کرنے لگتے ہیں۔شوہر بیوی میں اگر حالات کشیدہ ہونے لگیں تو اللہ کا حکم یہ ہے کہ ''رنجش کے حالات پیدا ہونے پر میاں بیوی میں ان بن ہے تو ایک منصف مرد کے خاندان میں سے اور ایک منصف عورت کے خاندان میں سے مقرر کردو وہ اگر صلاح کرادینی چاہیں گے تو اللہ ان میں موافقت پیدا کرے گا (سورہ النساء:۳۵)۔

لیکن آج مسلم معاشرہ میں اس حکم کی تعمیل ہوتی ہوئی نظر ہی نہیں آتی۔اسی لیے آپسی جھگڑے بڑھتے جاتے ہیں اور اندر ہی اندر طول پکڑ لیتے ہیں۔

کچھ حالات میں شوہر اور بیوی کے لیے یہی مناسب ہوتا ہے کہ الگ ہو جائیں۔نکاح کے رشتہ سے آزاد ہو کر اپنے طور پر اپنی زندگی کی پھر سے شروعات کریں۔اسی لئے نباہ کی صورت نہ رہنے پر اللہ تعالیٰ نے اس کی اجازت دی ہے اور ساتھ ہی طلاق کا طریقہ بھی نہایت صاف الفاظوں میں بتادیا ہے۔

''جب تم عورتوں کو طلاق دو تو ان کی عدت (پاکی کے دور میں) دو اور شمار رکھو اور اللہ سے جو تمہارا رب ہے ڈرو۔ان کو ان کے گھروں سے مت نکالو نہ وہ خود نکلیں (سوائے اس کے کہ وہ صریح بے حیائی کا ارتکاب کریں) یہ اللہ کی حدیں ہیں اور جو اللہ کی حد سے تجاوز کرے گا وہ خود اپنے پر ظلم کرے گا۔اپنی معیاد کے قریب پہنچ جائیں تب یا تو ان کو بھلے طریقے سے زوجیت میں

رہنے دو یا عمدہ طریقے سے علیحدہ کر دو اور اپنے میں سے دو منصف مردوں کو گواہ کر لو‘‘ (سورہ طلاق:۲-۱)۔

اسی کا نام طلاق رجعی ہے۔

ایک بار جناب عبداللہ بن عمرؓ نے اس دور میں اپنی بیوی کو طلاق دی کہ وہ پاکی میں نہ تھیں حضورﷺ نے معلوم ہونے پر فوراً رجعت کا حکم دیا (بخاری و مسلم)۔

دور جاہلیت میں کثرت طلاق کا عام رواج تھا۔ آپ کے سامنے کسی نے ایک ہی دفعہ میں تین طلاقیں دیں تو حضورﷺ نے اس امر کو دین کا مزاق اڑانا بتایا (بخاری و مسلم)۔

عربی زبان میں مزاق کے معنی ہیں پرخچے اڑانا، ٹکڑے کر دینا ہے۔ یعنی یہ امر آپ کو سخت ناگوار گزرا کیونکہ یہ دور جاہلیت کی پیروی تھی۔

سورہ البقرہ آیت ۲۲۹ میں ہے کہ طلاق دو بار ہے تو اس کے بعد یا تو طریق شائستہ سے نکاح میں رہنے دینا ہے یا بھلائی کے ساتھ چھوڑ دینا ہے اور یہ جائز نہیں ہے کہ جو ان کو دے چکے ہو اس میں سے کچھ واپس لے لو۔ ہاں اگر زن و شوہر کو خوف ہو کہ وہ اللہ کی حدود کو قائم نہ رکھ سکیں گے تو۔ اگر عورت رہائی پانے کے لئے کچھ دے ڈالے تو دونوں پر کچھ گناہ نہیں (یعنی خلع لینے کے لئے) یہ اللہ کی حدیں ہیں جو لوگ اللہ کی حدوں سے باہر نکل جائیں گے۔ وہ گنہگار ہوں گے (البقرہ:۲۲۹)۔

آج جس طرح عام طور سے مسلمان بیویوں کو طلاق دے رہے ہیں اس طریقے میں اللہ کے فرمان، قرآن کریم کی تعمیل ہے نہ احادیث رسولﷺ کی اطاعت۔ بلکہ ان کے طریق، انداز فکر و عمل ان سے دور ہیں۔

حضرت عبداللہ ابن عباس فرماتے ہیں کہ رسول اللہﷺ کے عہد مبارک میں حضرت ابو بکر جناب عمر کی خلافت کے دو سال تک اگر کوئی بیک وقت تین طلاقیں دیتا تو وہ ایک ہی شمار ہوتی تھیں۔ پھر حضرت عمر نے کہا کہ لوگ اس کام میں جلدی کرنے لگے جس میں ان کے لئے

مہلت تھی اگر ہم ان پر حد جاری کردیں تو اچھا ہو۔ پھر انہوں نے نافذ کر دیا (صحیح مسلم)۔

حضرت عمرؓ ایسے شخص کو جو ایک ہی وقت میں تین طلاقیں دیتا تھا اس کے کوڑے لگواتے تھے۔ مہر ادا کرنے کے ساتھ حسب مقدور کچھ متاع بھی اس کو دینا ہوتا تھا۔ حضرت عمر نے اس کا نفاذ سزا کے طور پر کیا تھا۔

جامع ترمذی اور مسند احمد میں حدیث ہے اور اس کے راوی عبداللہ ابن عباسؓ ہیں کہا کہ رکانہ ابن عبد یزیدؓ جو بنی مطلب سے تھے انہوں نے اپنی بیوی کو ایک ہی مجلس میں تین طلاق دی پھر انہیں اس پر بہت افسوس ہوا کہا تو رسول اللہ ﷺ نے معلوم کیا کہ کیسے طلاق دی انھوں نے کہا میں نے تین طلاقیں دی ہیں آپ نے فرمایا ایک مجلس میں تو انھوں نے کہا ہاں۔ آپ نے فرمایا یہ ایک طلاق ہے اگر تم چاہو تو رجوع کر لو تب انھوں نے رجوع کر لیا۔

آج مومنین کے لئے احادیث نبوی کی پیروی سے اور اللہ کی اطاعت سے سوا دوسرا طریقہ کیوں ہے۔ موجودہ دور میں مسلم مردوں کی اکثریت طلاق دینے کے بعد مال و زر چھین کر گھر سے روانہ کر دیتے ہیں جب کہ خالق کائنات کا حکم ہے۔

''ان کے ساتھ (بیویوں) اچھی طریقے سے رہو۔ اگر وہ تم کو ناپسند ہوں تو عجب نہیں کہ تم کسی چیز کو ناپسند کرو اور اللہ اس میں بہت سی بھلائی پیدا کر دے اور اگر ایک بیوی کی بجائے دوسری بیوی کرو اور پہلی کو بہت سامان دے چکے ہو تو اس میں سے کچھ مت لینا۔ بھلا تم ناجائز طور پر صریح ظلم سے اپنا مال اس سے لوگے (النساء:۲۰-۱۹)۔

ایک اور اللہ تعالیٰ کا واضح حکم مطلقہ خواتین کے لیے ہے۔

''اور اگر تم عورتوں کو ان کے پاس جانے یا مہر مقرر کرنے سے پہلے طلاق دے دو تو کچھ گناہ نہیں ہاں ان کو مال و اسباب دو صاحب وسعت (مالدار) اپنی حیثیت کے مطابق اور تنگ دست اپنی حیثیت کے مطابق (البقرہ:۲۳۶)۔

لیکن دور جدید میں مطلقہ کو متع یعنی مال و اسباب دیتے ہوئے دیکھا ہی نہیں جاتا۔ اللہ

کے اس حکم سے مسلمانوں نے اپنے آپ کو بالکل الگ ہی کر رکھا ہے۔ شاذ و نادر کے علاوہ۔ یہ متع مہر سے الگ دین ہے۔ مہر ادا کرنا مرد کے اوپر فرض ہے۔ النساء:۴ میں ہے مہر خوشی سے ادا کرو، آگے سورت النساء:۲۴ میں فرمان باری تعالیٰ ہے ''اور ان کو ان کے مہر ادا کر دو یہ فرض ہے۔ تو متع ان مہر سے الگ ہے جو شوہر کو مطلقہ کو دینا ہے قرآن کریم کے مطابق۔ سورۃ البقرہ:۲۴۱ میں دوبارہ حکم ہے وَلِلْمُطَلَّقٰتِ مَتَاعٌ بِالْمَعْرُوْفِ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْنَ۔

''اور مطلقہ عورتوں کے لئے مناسب طریقے سے (متع) سامان ہے اور یہ اللہ سے ڈرنے والوں پر حق ہے یعنی ضروری ہے''۔ لفظ متاع کے معنی عربی لغت میں مال، اسباب سامان اور فائدہ کے ہیں۔ قرآن کریم میں لفظ متع انہیں معنوں میں ۳۴ بار آیا ہے۔

البتہ اتنا ضرور ہے کہ طلاق شدہ عورت کو دیے جانے والے اللہ کی طرف سے مقرر کردہ اس متع فائدہ یا اسباب کی کوئی تعداد یا مدت مقرر نہیں کی گئی ہے بلکہ جیسا اوپر آچکا ہے۔ البقرہ: ۲۳۶ میں ہے اس کی مقدار طلاق دینے والے شوہر کی مالی حیثیت کے حساب سے ہے۔ وَمَتِّعُوْهُنَّ الْمُوْسِعِ قَدَرُهٗ وَعَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرُهٗ مَتَاعاً بِالْمَعْرُوْفِ ۔لیکن آج مسلم مرد بیوی کو طلاق دینے کے اللہ کے اس حکم کی تعمیل کو بالکل غیر ضروری سمجھتے ہیں علاوہ چند کے۔ حالت تو یہ ہے کہ طلاق دے کر بیوی کے پاس جو مال و اسباب ہے اس کو بھی لینے کی فکر میں رہتے ہیں۔

اللہ کے حکم کے مطابق عدت کے دوران تو پورا خرچ سابق شوہر کے ذمہ ہے ہی عدت ۳ مہینے کی ہو یا ولادت کے حساب سے ہو۔ اسی کے ساتھ اگر مائیں اپنے بچے کی رضاعت کر رہی ہیں تو اس پورے وقت تک بچے کا باپ مطلقہ کا خرچ پورا برداشت کرے گا۔ بلکہ قرآن کریم کا حکم یہاں تک ہے کہ اگر مطلقہ اور بیوہ جو بچے کو دودھ پلا رہی ہے اس کے خرچ کی ذمہ داری بچے کے وارث پر ہے۔ وعلی الوارث مثل ذلک (البقرہ:۲۳۳)۔ اگر بچے کے باپ کا انتقال ہو گیا ہو تب اور بچوں کے خرچ کی ذمہ داری ان کے والد ہی پر ہے چاہے وہ ماں کے پاس ہوں یا باپ کے پاس اور اسی طرح بچوں کے خرچ کی ذمہ داری ان کے وارث پر ہے۔ اگر باپ

کا انتقال ہوگیا ہے تب (یا مجنون ہے یا کوئی دوسری لاچاری کا شکار ہوگیا ہو)۔

آج اس کے برعکس مسلمانوں کے بچے خاندان کے دوسرے افراد یا غیروں کے صدقے پر پل کر بڑے ہوتے ہیں اور اس طرح کئی بار احساس کمتری کا شکار ہوکر اور دوسرے مسائل کا شکار ہو جاتے ہیں۔

اس دور میں مسلم دین سے دوری، جہالت عیش پسندی کی وجہ سے منشائے الٰہی کا بھی پاس نہیں رکھتے۔

قرآن کریم میں ایک آیت بھی ایسی نہیں ہے جس میں ایک ہی وقت میں ایک ہی دفعہ میں تین طلاقیں دینے کا اور طلاق مغلظہ کا ذکر ہو۔ اب بات رہی احادیث نبوی ﷺ کی، تو کوئی ایک حدیث نبوی بھی ایسی نہیں ہے جس میں یہ کہا گیا ہو کہ کوئی مرد ایک ہی وقت میں ایک دم تین طلاقیں دے سکتا ہے اور عورت اس کے بعد فوراً مطلقہ ہو جائے گی اور حلالہ کے بغیر اس سے سابق شوہر دوبارہ نکاح نہیں کر سکتا۔

حضرت عمرؓ ایک ہی وقت میں تین طلاقیں دینے والے شخص کو کوڑے لگواتے تھے۔ آج وہ کوڑے کیا ہوئے۔

پرسنل لا ۱۹۳۷ء کے خدوخال حدود اور تعزیرات سے خالی کیوں ہیں جب کہ یہ حدود یعنی سزائیں دینا اللہ کی طرف سے فرض کی گئی ہیں بلکہ ان کو عائد کرتے وقت نرمی برتنے سے بھی منع کیا گیا ہے۔ یہ سورہ نور: ۲ سے ثابت ہے۔ مفکرین کے مسالک پر نظر ثانی ہو سکتی ہے اور یہ ۱۹۳۷ء کے خدوخال پر غور کیا جا سکتا ہے۔ ۱۹۳۹ء میں قانون انفساخ نکاح مسلمین کا نفاذ ہوا اور ۱۹۳۰ء میں جناب اشرف علی تھانوی نے فقہ حنفی میں مفقود الخبر کی منکوحہ کے لئے دی گئی ۹۰ سال کی مدت انتظار کو ساڑھے ۴ سال کر دیا مالکی فقیہ کے مطابق۔ کلام الٰہی کے احکام مستحکم اور لازوال ہیں نہایت مفید اور انسانی فطرت کے عین مطابق ہیں اور حضور اکرم ﷺ کی احادیث شریفہ ان کی تشریح اور توضیح ہیں۔ رب العزت کا حکم ہے وما اتکم الرسول فخذوہ وما نھکم

عنہ وانتھو اواتقوا اللہ ۔'' اور جو تم کو رسول دیں وہ لے لو اور جس سے منع کریں باز رہو اور اللہ سے ڈرو (الحشر:۷)۔

علماء اور مفکرین اسلام کی آراء اور فکر ونظر پر نظر ثانی اور تبصرہ اور غور خوض کا حق صرف مسلم علماء دین اور مجتہدین ہی کا ہے جن کو کتاب وسنت کا کما حقہ علم حاصل ہو اور اسلامی فقہ، اسلامی فلسفہ قانون اور اسلامی تاریخ پر عبور کے ساتھ ساتھ معاملات میں بصیرت رکھتے ہو۔
کسی بھی غیر مسلم تنظیم، ادارہ، گروہ یا سربراہ اور حکومت کو ہرگز یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ اسلامی قوانین وشریعت میں مداخلت کریں ایسے لوگ جن کے یہاں اونچ نیچ، ذات پات اور جنس کی بنیادوں پر قانون بنے ہیں۔ دلتوں کے قانون الگ ہیں۔ ناگاؤں کے الگ ہیں وغیرہ۔ وہ کیا یکساں سول کوڈ کی بات کر سکتے ہیں۔ بے چارے جن کے یہاں نکتہ نکتہ پر علیحدگی اور بکھراؤ ہے۔ مساوات اور یکسانیت کا نام ونشان بھی نہیں۔

قرآن کریم میں ہے'' جو تمہارے رب کی جانب سے تمہاری طرف نازل کیا گیا اسی کی پیروی کرو'' (الاعراف:۳) آگے فرمان ہے'' کسی بھی مومن مرد اور مومن عورت کو یہ اختیار نہیں ہے کہ اللہ کے احکام وقوانین کی موجودگی میں وہ اپنی پسند کا کوئی قانون بنائے یا اپنی پسند کے راستے پر چلے (الاحزاب:۳۶)۔

اس لئے مسلمانوں پر طلاق دینے کا وہی طریقہ نافذ ہونا لازم ہے جو قرآن کریم میں بیان فرمایا گیا ہے۔

جناب محمد یوسف سابق امیر جماعت اسلامی ہند اپنی کتاب '' مسلم پرسنل لا اہمیت افادیت اور ضرورت'' صفحہ ۲۸ میں لکھتے ہیں طلاق دینے کا یہ طریقہ کہ ایک دم تین یا زائد طلاقیں دی جائیں بدعت ہے تباہ کن ہے۔ شمس پیرزادہ نے بھی اپنی کتاب '' مسلم پرسنل لا اور یکساں سول کوڈ'' میں اس طریقہ کی مزمت کی ہے اور قرآن وسنت کے طریقہ سے الگ بتایا ہے۔ مولانا مفتی عبید الرحمٰن مدنی کا بھی یہی کہنا ہے اور علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے شعبۂ دینیات کے

پروفیسر ڈاکٹر سعود عالم قاسمی، اپنی کتاب مطالعہ دینیات طبع ۱۹۹۷ء صفحہ ۱۷۱ میں لکھتے ہیں طلاق مغلظہ یعنی ایک ہی وقت میں تین طلاقیں دینا بدعت ہے۔ دین کا مذاق اڑانا ہے۔

جب بدعت ہے دین کو ڈھانے والی چیز ہے تو اس کو اتنا عام کیوں کر دیا اور کرنے دیا مسلم علما کرام غور فرمائیں۔ اسی کے ساتھ یہ بھی یاد رکھا جائے کہ مسلمان کسی دوسرے کے ذریعہ کسی ترمیم و تنسیخ کے لئے تیار نہیں دفعہ ۴۴ جو یکساں سول کوڈ سے متعلق ہے وہ منسوخ کی جائے اسی میں ملک عوام اور سربراہاں کا فائدہ ہے۔ نفاق پھیلا کر اور ابتری پھیلا کر ملک کو نقصان نہ پہنچائیں۔

مسلمان خود ہی اگر قرآن کریم اور سنن رسول ﷺ کا علم حاصل کریں اور ان ہی کے مطابق معاشرتی معاشی عائلی اور سیاسی مسائل کو حل کریں تو کسی کو انگلی اٹھانے کا موقع نہیں ملے گا اور اگر کوئی سرکش اس کی جرأت کرے گا بھی تو جلد ہی صحیح اسلامی نظام کو دیکھ کر زیر ہو جائے گا اور ہوسکتا ہے اطاعت بھی قبول کرلے جیسا کہ پہلے بار بار تاریخ میں ہو چکا ہے۔

"بڑا تحفہ ہے احتیاط سے آراستہ کیجئے"

بیٹا ہو یا بیٹی دونوں ہی اللہ کی طرف سے عنایت کردہ نعمت عظمیٰ ہیں۔ والدین کے لئے بڑا تحفہ ہیں۔ اللہ علیم وخبیر ہی کو معلوم ہے کہ اس کے بندوں کے لئے کس میں خیر ہے۔

حقیقتاً اولاد ہی انسان کی تہذیب وثقافت اچھی روایات، دین ومذہب اور تعلیمات کو زندہ رکھنے کا سلسلہ ہیں مومن اولاد کی آرزو اسی لئے کرتا ہے کہ وہ اس کے بعد اللہ کے احکام اور رسول ﷺ کے پیغام کی تجدید کرتے رہیں۔

والدین کی زندگی اور قول وعمل ہمہ وقت بچوں کے لئے خاموش معلم ہے جس سے ہر وقت ان کی تعلیم وتربیت ہوتی رہتی ہے یہ بلا واسطہ ذریعہ تعلیم ہے۔ اس لئے اپنے بیٹوں اور بیٹیوں کے سامنے اچھا عملی نمونہ پیش کرنا والدین پر لازم ہے۔ بعد میں بالواسطہ تعلیم کی نوبت آتی ہے وہ بھی ہر مقام کے ہر بچے کو نصیب نہیں ہوتی۔

بچے رنگ رنگ کے پھول ہیں جن کی وجہ سے چمن دنیا بارونق اور پر بہار رہتی ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ کی حدیث سے ہے کہ جب کسی کے گھر بیٹی کی ولادت ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ فرشتے بھیجتا ہے جو آکر کہتے ہیں اے گھر والو تم پر سلامتی ہو، وہ لڑکی کو اپنے پروں کے سائے میں لے لیتے ہیں اور اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہتے ہیں، یہ کمزور جان ہے جو ایک کمزور جان سے پیدا ہوئی ہے، جو اس بچی کی نگرانی اور پرورش کرے گا قیامت تک اللہ کی مدد اس کی شامل حال رہے گی (طبرانی)۔

چاہئے کہ بیٹیوں کی پرورش اور تربیت اچھی طرح کی جائے۔ رب العزت کتنا کریم ہے آدمی اپنی خواہش پوری کرتا ہے پھر اولاد ہوتی ہے اس کو پالتا ہے یہ بھی اس کی فطرت ہے اس کے باوجود اللہ تعالیٰ انسان کو جنت کی خوش خبری دیتا ہے۔

نبی آخر الزماں نے فرمایا جس شخص نے تین بیٹیوں یا تین بہنوں کی سرپرستی کی انہیں تعلیم و تہذیب سکھائی اور ان کے ساتھ رحم کا سلوک کیا۔ یہاں تک کہ اللہ ان کو بے نیاز کر دے تو ایسے شخص کے لئے اللہ نے جنت واجب فرمادی۔ ایک آدمی بولا اگر دو ہی ہوں تو نبی ﷺ نے فرمایا دو لڑکیوں کی پرورش کا بھی یہی صلہ ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس کا قول ہے کہ اگر لوگ ایک کے بارے میں معلوم کرتے تو آپ ﷺ ایک کی پرورش پر بھی یہی بشارت دیتے (مسلم و بخاری)۔

معاملات برتاؤ، پرورش لین دین تربیت وغیرہ میں بیٹے کو بیٹی پر ترجیح نہیں دینی چاہئے کیونکہ والدین کے اس برتاؤ سے بھائی بہن کی آپسی محبت میں فرق آتا ہے۔ لڑکی میں احساس کمتری پیدا ہوتا ہے۔ جس میں احساس کمتری پیدا ہو جائے وہ اپنی شخصیت کو آسانی سے نہیں نکھار پاتا۔ کئی بار دیکھا گیا ہے کہ پرورش میں مساوات نہ برتنے کی وجہ سے بغاوت کا جذبہ بھی ابھرتا ہے۔

اللہ کے رسول ﷺ کا فرمان ہے جس کے ہاں لڑکی پیدا ہوئی اور اس نے جاہلیت کے طریقے پر اسے زندہ دفن نہیں کیا اور نہ اس کو حقیر جانا اور نہ لڑکے کو اس کے مقابلہ میں ترجیح دی اور زیادہ سمجھا تو ایسے آدمی کو اللہ جنت میں داخل کرے گا (ابوداؤد)۔

اپنے بچوں کے ساتھ محبت اور نرمی سے پیش آنا چاہئے۔ حسب حیثیت اپنی اولاد کی ضروریات پوری کرنے اور خوش ہو کر دیکھنے سے ان کی ہمت افزائی ہوتی ہے دل خوش رہتا ہے نشو نما پر اچھا اثر پڑتا ہے، والدین کی فرمابرداری کے جذبات پیدا ہوتے ہیں، چھوٹے بچوں کے سر پر ہاتھ پھیرنے اور ان کو گود میں لینے سے بچے خوش ہوتے ہیں۔ مزاح اور خوش طبعی کی بات

چیت بھی کرنی چاہئے جس سے دوری اور گھٹن دور ہوتی ہے۔

ایک بار اقرع بن حابسؓ نبی کریم ﷺ کے پاس آئے۔آپ ﷺ اس وقت حضرت حسن کو پیار کررہے تھے۔اقرعؓ کو دیکھ کر تعجب ہوا۔بولے یارسول اللہ ﷺ آپ بچوں کو پیار کرتے ہیں۔میرے تو دس بچے ہیں لیکن میں نے تو کبھی کسی ایک کو بھی پیار نہیں کیا۔اللہ کے رسول ﷺ نے اقرع کی طرف دیکھا اور فرمایا اگر اللہ نے تیرے دل سے رحمت وشفقت کو دور کردیا تو میں کیا کرسکتا ہوں (ترمذی)۔

یعنی اقرعؓ کا اپنے بچوں کے ساتھ یہ رویہ آپ ﷺ کو پسند نہیں آیا۔

حضرت عمر فاروقؓ کے دور میں حضرت عامرؓ کسی اہم عہدے پر تھے۔امیرالمومنینؓ کے گھر آئے۔دیکھا کہ حضرت عمرؓ لیٹے ہوئے ہیں اور بچے سینے پر چڑھے ہوئے کھیل رہے ہیں۔حضرت عامرؓ کو یہ بات کچھ عجیب سی لگی۔حضرت عمرؓ نے ان کی ناگواری کو بھانپ لیا اور عامرؓ سے بولے کہو تمہارا اپنے بچوں کے ساتھ کیا سلوک ہے۔عامر تم امت محمدیہ کی فرزند ہوتے ہوئے یہ نہیں جانتے کہ مسلمان کو اپنے گھر والوں کے ساتھ کیسا برتاؤ رکھنا چاہئے۔

والدین کو چاہئے کہ اولاد کو اچھی تعلیم اور تربیت سے آراستہ کرنے کے لئے اپنی ساری کوشش وقف کردیں کیونکہ یہ والدین کا بہت اہم فریضہ ہے۔بہت اچھی اور بڑی خوش گوار ذمہ داری ہے بلکہ خود اپنے اوپر احسان ہے۔

اللہ تعالیٰ کا حکم ہے:

یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِیْكُمْ نَارًا (طلاق:)

''مومنوں بچاؤ اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو جہنم کی آگ سے''۔

رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے باپ اپنی اولاد کو جو کچھ دے سکتا ہے اس میں سب سے بہتر عطیہ اولاد کی اچھی تعلیم اور تربیت ہے (مشکوٰۃ)۔

والدین کو اپنے بچوں کے لئے دعائیں بھی کرنی چاہیں۔انبیاء کرامؑ نے اپنی اولاد کے

لئے دعائیں کی ہیں۔

رحمت اللعلمین نے فرمایا کہ جب انسان مرجاتا ہے تو اس کا عمل ختم ہو جاتا ہے مگر تین قسم کے اعمال ایسے ہیں کہ ان کا اجر وثواب مرنے کے بعد بھی ملتا رہتا ہے۔ایک یہ کہ وہ صدقہ جاریہ کر جائے دوسرے یہ کہ وہ ایسا علم چھوڑ جائے جس سے لوگ فائدہ اٹھائیں۔تیسرے صالح اولاد جو باپ کے لئے دعا کرتی رہے (مسلم)۔

ماں باپ کے لئے دعا کرنا قرآن کریم سے ثابت ہے۔والدین کو چاہئے کہ بچے جب سات سال کے ہو جائیں تو ان کو نماز سکھائیں۔نماز پڑھنے کی ترغیب دیں اور اپنے ساتھ مسجد لے جا کر شوق پیدا کریں۔دس سال کی عمر میں نماز میں کوتاہی کریں تو انہیں مناسب سزا بھی دینی چاہئے۔

آج کے دور میں دنیاوی علوم سکھانے کے لئے چار سال کی عمر سے ہی بچوں کو صبح وقت پر جگانا، تیار کرنا، اسکول بھیجنا، ڈانٹنا، مارنا اور برا بھلا کہنا جاری ہو جاتا ہے لیکن افسوس دینی تعلیم کے لئے کوشش اس کا عشر عشیر بھی نہیں کی جاتی جبکہ بچوں اور والدین دونوں کی فلاح اسی میں زیادہ ہے دنیا اور آخرت کی زندگی دونوں میں۔

رسول کریم ﷺ کا قول پاک ہے دس سال کی عمر کو پہنچنے کے بعد ان کے بستر الگ کر دو۔

اولاد اللہ کی عظیم نعمت ہے ولادت پر اللہ کا شکر ادا کرنا چاہئے۔یہ بلاشبہ اللہ کا اپنے بندے پر بڑا کرم ہے کہ دین و دنیا کا جانشین عنایت فرمایا۔

اس دور کے بہت سے گمراہ کن لوگ دور جاہلیت کے پیروکار ہیں۔اپنی کم ظرفی کی وجہ سے ولادت سے پہلے ہی اولاد کو خاص کر لڑکی کو ختم کروا دیتے ہیں۔آج کل بہار، بنگال، یوپی کے کچھ علاقوں مہاراشٹر اور راجستھان کے کچھ حصوں میں تو پیدائش سے پہلے اگر مارنے کا انتظام نہیں ہو پاتا تو بعد میں کسی نہ کسی طرح ختم کرنے سے بھی دریغ نہیں کرتے۔

ان کی طرح اولاد کو ضائع کرنے کا بدترین خیال بھی مومن اور مومنات کے دل میں نہیں آنا چاہئے۔ کیونکہ یہ گھٹیا خیال یا قدم بہت بڑا گناہ ہے اور حد درجہ خودغرضی، بزدلی ہے اور بڑا بھیانک ظلم ہے۔ جو لوگ اپنی اولاد کے نہیں وہ کسی کے ہو ہی نہیں سکتے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ قَتَلُوْٓا اَوْلَادَهُمْ سَفَهاً بِغَيْرِ عِلْمٍ (الانعام)۔

''وہ لوگ گھاٹے میں ہیں جنہوں نے اپنی اولاد کو جہالت اور حماقت سے موت کے گھاٹ اتار دیا''۔

فرمان باری تعالیٰ:

وَلَا تَقْتُلُوْا اولَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَاِيَّاكُمْ اِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْاءً كَبِيْراً (بنی اسرائیل)۔

''اور اپنی اولاد کو فقر کے خوف سے قتل نہ کرو ہم (اللہ تعالیٰ) ان کو بھی رزق دیں گے اور ہم تمہیں بھی رزق دیتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اولاد کا قتل کرنا بہت بڑا گناہ ہے''۔

ایک بار ایک صحابی نے دریافت کیا یا رسول اللہ ﷺ سب سے بڑا گناہ کیا ہے۔ فرمایا شرک، پوچھا اس کے بعد، فرمایا والدین کی نافرمانی، پھر پوچھا اس کے بعد، فرمایا تم اپنی اولاد کو اس ڈر سے مار ڈالو کہ وہ تمہارے ساتھ کھائے گی (صحیحین)۔

مومنین الحمد اللہ پیدائش کے فوراً بعد سے ہی اپنے بچے کا مومنانہ طریق سے استقبال کرتے ہیں۔ نہلا کر دائیں کان میں اذان اور بائیں کان میں اقامت کہتے ہیں۔

اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا جس کے یہاں بچے کی ولادت ہو اور وہ اس بچے کے دائیں کان میں اذان اور بائیں کان میں اقامت کہے تو بچہ ام الصبیان (مرگی) کی تکلیف سے محفوظ رہے گا (ابوداؤد، ترمذی)۔

مسلمانوں کو چاہئے کہ اپنے بچوں کا اچھا بامعنی نام رکھیں۔

رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ قیامت کے روز تمہیں اپنے اپنے ناموں سے پکارا جائے

گا۔اس لئے اچھا نام رکھا کرو (ابوداوٗد)۔

آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا اللہ کو تمہارے ناموں میں عبداللہ اور عبدالرحمٰن سب سے زیادہ پسند ہیں۔آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ انبیاء کے ناموں پر نام رکھو۔آپ ﷺ نے حضرت عمرؓ کی صاحب زادی عاصیہ کا نام بدل کر جمیلہ رکھا (مسلم)۔

حضرت ابوسلمہؓ کی بیٹی کا نام برہ تھا آپ ﷺ نے فرمایا زینب نام رکھو (ابوداوٗد)۔

حضور ﷺ کا ارشاد ہے جب تمہاری اولاد بولنے لگے تو اس کو لا الہ الا اللہ سکھا دو۔ پھر مت پرواہ کرو کہ کب مرے اور جب دودھ کے دانت گر جائیں تو نماز کا حکم دو (مسلم)۔

ماؤں کو چاہئے کہ بچے کو اپنا دودھ پلائیں ان کی جسمانی اور دماغی صحت کے لئے یہ ضروری ہے۔ماں پر بچے کا یہ حق ہے۔وَالْوَالِدٰتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ اَرَادَ اَنْ يُّتِمَّ الرَّضَاعَةَ (البقرہ:۲۳۳)۔

"اور مائیں اپنے بچوں کو پورے دو سال دودھ پلائیں یہ اس شخص کے لئے ہے جو پوری مدت تک دودھ پلوانا چاہے"۔

مجبوری کی بات الگ ہے کہ دودھ بن ہی نہیں رہا، ماں بیمار ہے یا کوئی اور وجہ۔اپنی اولاد کو صاف ستھرا رہنے طہارت و نظافت کا خیال رکھنے کی تربیت دینا بھی ضروری ہے۔نمود و نمائش کی عادت صحت و زندگی کے لئے اچھی نہیں ہے۔

والدین کو چاہئے کہ اپنے بیٹوں اور بیٹیوں کی اصلاح سے مایوسی کا اظہار نہ کریں۔ ہمت افزائی کرتے رہنا چاہئے تاکہ خود اعتمادی اور حوصلہ پیدا ہو اور عملی میدان کے شہ سوار بن سکیں۔

بے جا محبت اور ہر ضد پوری کرنے سے بچوں میں خود سری پیدا ہوتی ہے۔قوت برداشت اور استقلال جیسے بھلے جذبے نہیں ابھر پاتے۔بیٹے ہوں یا بیٹیاں دونوں کو اپنا کام اپنے آپ کرنے کی تربیت خود ان کے حال اور مستقبل کو سنوارتی ہے کیونکہ محنت اور کوشش سے کاہلی

جیسا مہلک مرض نہیں پنپنے پاتا۔

والدین کے فرائض میں سے یہ بھی ایک اہم کام ہے کہ وہ بچوں کو ترغیب دیں کہ نیک اور صالح دوست بنائیں۔

اللہ کے رسول ﷺ کا فرمان ہے جو مسلمان لوگوں کے ساتھ مل جل کر رہتا ہے اور ان کی طرف سے پہنچنے والی تکلیفوں کو برداشت کرتا ہے وہ کہیں بہتر ہے اس شخص سے جو لوگوں سے الگ تھلگ رہتا ہے۔ ایک اور حدیث میں ہے ''نیک دوست کی مثال ایسی ہے جیسے مشک بیچنے والے کی دکان، کہ جو کچھ فائدہ نہ بھی ہو تو خوشبو تو ضرور آئے گی اور برا دوست ایسا ہے جیسے بھٹی آگ نہ لگے تب بھی دھوئیں سے کپڑے تو ضرور کالے ہو جائیں گے'' (ترمذی)۔

اپنی اولاد کو اسلامی تعلیمات سے آراستہ کرنا والدین کا اولین فریضہ ہے۔ صحیح طور پر اسلامی تعلیم و تربیت سے قلب میں (جلا) نور بڑھتا ہے۔ اچھے اخلاق نشو نما پاتے ہیں۔ تحمل و بردباری، ایثار و قربانی، شفقت ہمدردی، مروت، خیر خواہی، سخاوت شجاعت تعاون۔ اللہ اس کے رسول ﷺ اور اللہ کی مخلوق سے محبت کے جذبات پیدا ہوتے اور بڑھتے ہیں۔ ایسے بچے بڑے ہو کر معاشرے کے لئے سراپا خیر و برکت بن جاتے ہیں۔

اللہ کے ایسے فرماں بردار افراد کہ ان کو دیکھنے سے لوگوں پر ایسا رعب اور دبدبہ چھا جائے کہ بزدل بش اور اس جیسا ہر جگہ کا ہر آدمی تھرا اٹھے۔ ان کے صالح کردار و عمل حسن تدبیر سے متاثر ہو کر لوگ ہدایت یافتہ بن جائیں۔

''انسانی صحت اور اسلام''

صحت اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی بڑی نعمت۔ رب العالمین نے بندوں کو جو کچھ بھی دیا ہے وہ اس کی امانت ہے۔ اسی لئے صحت مند انسان کو اپنی تندرستی کی حفاظت کرتے رہنا چاہئے۔ اللہ کی طرف سے عطا کردہ اس بیش بہا امانت میں خیانت نہ کرنا ہی انسان کے لئے فائدہ مند ہے۔

صحت کے سلسلے میں لاپرواہی برتنے سے کبھی کبھی زندگی میں بڑا نقصان اٹھانا پڑتا ہے۔ پرہیزگاری وہ بہترین عادت ہے کہ اس کی وجہ سے انسان ہر گناہ سے بچتا ہے، دماغ دل، جسم روح اور اعمال سب صحت مند رہتے ہیں۔ جب تقویٰ اور پرہیز کرنے کی عادت ہوتی ہے تو انسان ایسی اشیاء اور غذا سے بھی بچا رہتا ہے جو اس کے جسم وغیرہ کے لئے نقصان دہ ہوسکتے ہیں۔ انگریزی کی ایک مثل ہے Prevention is better than cure یعنی بچاؤ علاج سے کہیں بہتر ہے۔ دوسرے الفاظ میں کہا جاسکتا ہے کہ صحت کو بگاڑنے والی چیزوں اور غذا سے الگ رہنا ہی عمدہ بات ہے کہ علاج کی نوبت نہ آئے۔

اگر کسی وجہ سے بیمار ہوجائیں تو اللہ کے رسول ﷺ کا فرمان ہے ''لِکُلِّ داءٍ دواءٌ'' یعنی ہر مرض کے لئے دوا ہے۔ مریض یا اس کے اہل خانہ کو چاہئے کہ اچھے حکیم یا ڈاکٹر کو رجوع کریں۔ صحت کے سلسلے میں غفلت برتنا اور تندرستی کی فکر نہ کرنا بے حسی ہے اور اللہ کی ناشکری بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ ناشکروں کو پسند نہیں فرماتا۔

عقل، ایمان، شعور اور اچھے اخلاق حیات انسانی کی بڑی دولت ہیں۔ صحت مند جسم

میں اچھی سوچ پنپتی ہے۔ جسم میں کمزوری اور تکلیف کے سبب انسان اللہ کی نعمتوں سے لطف اندوز نہیں ہو پاتا۔ اس کی وجہ سے کئی بار دماغ میں برے خیالات اور بدگمانیاں پیدا ہونے لگتی ہیں۔ زندگی کی کارگزاری کمزور پڑ جاتی ہے۔

مضبوط جسم میں قوی دماغ اور ارادے بھی مضبوط ہوتے ہیں ساتھ ہی کچھ کر گزرنے کے حوصلے بلند ہوتے ہیں، جوش، ولولہ اور جذبہ انسان کو زندہ دل رکھتا ہے۔

جس قوم کے افراد زندگی کی قدروں کی قدر کرتے ہیں صحت منداور زندہ دل ہوتے ہیں۔ وہ کارگاہ حیات میں اعلیٰ کارنامے انجام دینے اور ضرورت پڑنے پر بڑی قربانیاں دینے کا حوصلہ رکھتے ہیں۔ ابھرتی نسل کو سربلند رکھنے میں کوشش اور کاوش کرنے میں مستعد رہتے ہیں۔

صحت مند خوش وخرم اشخاص جس محفل میں ہوتے ہیں وہ محفل خود بخود بارونق لگنے لگتی ہے۔ ایسے انسانوں کی موجودگی کی وجہ سے دوسرے لوگ بھی خوش نظر آنے لگتے ہیں۔ ان کی ہنسی دوسروں کی مسکراہٹ کا باعث بنتی ہے۔

لفظ غم کے معنی عربی زبان میں گھٹن کے ہیں اور غصہ کے معنی گلے میں پھنسنے کے ہیں۔ کچھ عادتیں جیسے غصہ کرتے رہنے کی عادت ہر وقت ہر معاملہ کو لے کر بہت زیادہ غم اور گھٹن کا احساس۔ حسد جلن، تنگ نظری، غرور وغیرہ بھی انسان کی صحت کو متاثر کرتے ہیں۔

جب انسان کسی وجہ سے پریشان ہوتا ہے تو فکر تو ہوتی ہی ہے لیکن اللہ پر بھروسہ، دعائیں اور اللہ سے مدد ونصرت مانگنے سے الجھنوں اور تناؤ سے کافی حد تک بچا جا سکتا ہے۔ توکل علی اللہ اور کوشش انسان کی صحت کے لئے بہت اہم ہیں۔ اخلاقی بیماریاں اور ذہنی تناؤ نظام ہضم کو خراب کرتے ہیں اور نظام فکر بھی اس سے بری طرح اثر پزیر ہوتا ہے۔

اللہ کے رسول ﷺ کا ارشاد ہے "ساری زندگی میانہ روی اختیار کرو اور خوش رہا کرو (مشکوۃ)۔

نبی کریم ﷺ پر کس قدر ذمہ داریاں تھیں اپنے اہل خانہ کی۔ پڑوسیوں کی ملنے جلنے

والوں کی، پوری قوم کی بلکہ پورے شہر اور تمام انسانوں کی۔ اسلام کی دعوت دینے کے سلسلے میں لوگوں سے اور اپنوں تک سے طرح طرح کی اذیتوں اور تکلیفوں کا سامنا کرنا پڑا۔ چپہ چپہ پر دشمن موجود تھے لیکن اس کے باوجود آپ ﷺ خوش رہتے تھے۔

حضرت عبداللہ بن حارثؓ کہتے ہیں میں نے نبی کریم ﷺ سے زیادہ مسکرانے والا کوئی شخص نہیں دیکھا'' (ترمذی)۔

اپنی صحت وتندرستی اور دنیاوی ودینی بھلائی اور عافیت کے لئے دعائیں بھی کرتے رہنا چاہئے۔

کتب حدیث میں یہ دعا بھی منقول ہے:

اَللّٰھُمَّ اَعُوْذُبِکَ مِنَ الْھُمِّ وَالْحُزْنِ والْعِجْزِ وَالْکَسْلِ وَضَلْعِ الدَّیْنِ وَغَلَبَةِ الرِّجَالِ (بخاری ومسلم)۔

''یا اللہ میں اپنے کو تیری پناہ میں دیتا ہوں (دیتی ہوں) پریشانی سے غم سے، بے چارگی سے، سستی اور کاہلی سے، قرض کے بوجھ سے اور اس بات سے کہ لوگ مجھ کو دبا کر رکھیں''۔

انسان پر اس کی اپنی دماغی اور جسمانی طاقتوں اور قوتوں کا یہ حق ہے کہ وہ ان کی حفاظت رکھے اور اچھی طرح دیکھ بھال کرے۔ اس لئے اپنے اوپر برداشت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالنا چاہئے۔ ایسا کوئی قدم نہ اٹھائیں جس سے وہ ضائع ہوں یا کمزور پڑ جائیں۔ برداشت کے مطابق اعتدال سے کام کیا جائے۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ کا قول ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا ''اتنا ہی عمل کرو جتنا کر سکنے کی تمہارے اندر طاقت ہو اس لئے کہ اللہ نہیں اکتاتا یہاں تک کہ تم خود اکتا جاؤ'' (بخاری)۔

حضرت ابوقیسؓ فرماتے ہیں کہ وہ اللہ کے رسول ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ ﷺ خطبہ دے رہے تھے۔ حضرت ابوقیس دھوپ میں کھڑے ہو گئے تو اللہ کے نبی محمد ﷺ

نے فرمایا تو وہ سائے کی طرف چلے گئے (الادب المفرد)۔

آج کا انسان دولت، نام اور شہرت کی فکر میں ہے اور سب سے زیادہ دولت حاصل کرنے کی فکر ہے۔ زندگی کی دوڑ دھوپ بہت بڑھ چکی ہے۔ دولت کے انبار بھی ہیں۔ چوبیس گھنٹوں میں سے اٹھارہ گھنٹے کام کرتے کرتے۔ بقیہ چھ گھنٹے آرام، گھر اور عام دوسرے تمام معاملات کے لئے، عزیزوں پڑوسیوں سے ملنا جلنا تقریبات میں شامل ہونا بھی مصروفیت کا ایک حصہ بن گیا ہے۔ زندگی اپنے اور اپنوں کے لئے خوشی اور تفریح سے عاری سی ہوگئی ہیں۔ محفلوں میں شمولیت اور ملنا جلنا بھی ذمہ داری ہے کام ہے خوشی کیسے ملے۔

جب کہ صحت اتنی اہم ہے کہ حد سے زیادہ عبادت تک کے لئے منع فرمایا گیا ہے۔

ایک صحابیہ حضرت مجیبہ کا بیان ہے کہ ایک بار ان کے والد اللہ کے رسول محمد ﷺ کے پاس علم دین حاصل کرنے کے لئے حاضر ہوئے۔ ایک سال کے بعد دوبارہ حضور ﷺ کی خدمت میں آئے۔ تو انہوں نے پوچھا کہ اللہ کے رسول ﷺ کیا آپ ﷺ نے مجھے پہچانا نہیں۔ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا نہیں، اپنا تعارف کراؤ۔ عرض کیا میں قبیلہ باہلہ کا فرد ہوں۔ پچھلے سال بھی آپ ﷺ کے پاس حاضر ہوا تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا یہ تمہاری کیا حالت ہوگئی ہے۔ پچھلے سال جب آئے تھے تب تو تمہاری شکل وصورت اور حالت بہت اچھی تھی۔ انہوں نے عرض کیا جب سے میں آپ ﷺ کے پاس سے گیا ہوں اس وقت سے اب تک برابر روزے رکھ رہا ہوں، صرف رات میں کھانا کھاتا ہوں آپ ﷺ نے فرمایا تم نے خواہ مخواہ اپنے آپ کو عذاب میں ڈالا (یعنی اپنی صحت برباد کرلی) پھر اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا رمضان میں مہینے بھر کے روزے رکھو، اور اس کے علاوہ ہر مہینے ایک روزہ رکھ لیا کرو'' انہوں نے کہا کچھ اور کی اجازت دیجئے۔ آپ ﷺ نے ہدایت دی ہر مہینے دو دن کے روزے رکھ لیا کرو۔

انہوں نے عرض کیا کچھ اور تب آپ ﷺ نے فرمایا اچھا ہر مہینہ میں تین دن، انہوں نے کہا حضور ﷺ کچھ اور اضافہ فرمائے آپ ﷺ نے ہدایت دی اچھا ہر سال محرم کے مہینوں میں

روزے رکھو اور چھوڑ دو۔ ایسا ہی ہر سال کرو (ترمذی)۔

مومن و مومنات کو چاہئے کہ محنت مشقت اور بلند ہمتی کی زندگی گزاریں۔ آرام طلب، نزاکت پسند، کاہل اور عیش کوش ہونا کسی بھی طرح صحت کے لئے اچھا نہیں ہے۔ حضرت امامہؓ سے روایت ہے کہ اللہ کے نبی ﷺ نے فرمایا ''سادہ زندگی ایمان کی علامت ہے'' (ابوداؤد)۔

صبح سویرے جاگ جانا مومن کے لئے لازم ہے بلکہ فرض ہے اس طرح کہ فجر کی نماز فرض ہے۔ سونے میں بھی اعتدال ضروری ہے۔ دولت کماتے رہنے اور تفریح کے لئے رات کو بہت دیر تک یا پوری رات لوگ جاگ جاگ کر صحت خراب کر لیتے ہیں۔ آرام نہ ملنے کی وجہ سے تکان اور شکستگی رہتی ہے۔ مزاج اور انداز گفتگو اور دوسرے معاملات میں بھی تناؤ اور جھنجھلاہٹ نظر آتی ہے۔

اتنا زیادہ بھی نہ سوئیں کہ کاہل بن جائے۔ ضروری کام وقت پر نہ ہو سکیں۔ صبح کی تازہ ہوا صحت کے لئے بہت اچھی ہے۔ اپنی جسمانی قوت کے لحاظ سے ورزش کا اہتمام کرنا صحت کے لئے اچھا ہے۔

اللہ کے رسول ﷺ کو باغ کی سیر پسند تھی۔ آپ ﷺ باغوں میں تشریف لے جاتے تھے۔ آپ ﷺ نے عشاء کے بعد جاگے رہنے سے منع فرمایا اور ہدایت دی کہ عشاء کے بعد وہی شخص جاگ سکتا ہے جس کو کوئی دینی گفتگو کرنی ہو یا گھر والوں سے ضرورت کی بات چیت کرنی ہو (ابوداؤد)۔

نظر سیدھی راہ پر رہنے سے دل و دماغ سکون و عافیت سے رہتے ہیں۔ نفس، خیالات، جذبات اور خواہشات پر قابو رکھنے میں انتشار سے دوچار نہیں ہونا پڑتا۔

کھانا وقت پر کھانا چاہئے۔ زیادہ کھانا اور ہر وقت کچھ نہ کچھ کھاتے رہنا صحت کے لئے مضر ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ''مومن ایک آنت میں کھاتا ہے اور کافر سات آنتوں میں کھاتا ہے'' (ترمذی)۔

زود ہضم غذائیں تندرستی کے لئے اچھی ہیں۔ لذیذ اور میدے کی چپاتی پسند نہیں تھی۔ بہت

گرم کھانا نہیں کھاتے تھے۔آپ ﷺ کا فرمان ہے گرم کھانے میں برکت نہیں ہوتی (ترمذی)۔

کھانا سکون واطمنان سے کھانا اچھا ہے۔اچھی طرح چبا کر خوشی اور ذہنی راحت سے اطمنان کے ساتھ کھایا ہوا کھانا جسم کو زیادہ قوت دیتا ہے۔

انسان مٹی اور پانی سے بنا ہے اور دنیا کی ہر زندہ شے پانی سے بنی ہے۔مٹی میں پلتی ہے (ماخوذ از الرحمٰن آیۃ ۱۴- الانبیاء آیۃ ۳۰)۔

کھانے لائق اللہ کی دی ہوئی سب غذائیں موسمی پھل ترکاریاں اور اناج کھانے چاہئیں۔یہ سب انسان کے لئے کسی نہ کسی طرح فائدہ مند ہیں۔اسی کے ساتھ اگر کسی مرض میں مبتلا ہے تو بیماری کی حالت میں نقصان دینے والی غذا سے پرہیز کرنا بھی ضروری ہے تاکہ جلد صحت یاب ہو سکے۔اگر بیماری سے حال ہی میں شفا ہوئی ہے تب بھی نقصاندہ اشیاء اور غذاء سے کچھ دن اور پرہیز کرنا بہتر ہے۔

صحابیہ ام منذرؓ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ میرے گھر تشریف لائے ہمارے گھر کھجور کے خوشے لٹک رہے تھے۔نبی اکرم ﷺ ان میں سے تناول فرمانے لگے۔حضرت علیؓ بھی آپ ﷺ کے ساتھ تھے وہ بھی کھانے لگے تو رسول اللہ ﷺ نے ان کو روک دیا کہ تم ابھی بیماری سے اٹھے ہو تم مت کھاؤ چنانچہ حضرت علیؓ رک گئے اور نبی ﷺ کھاتے رہے۔ام منذر نے کہا کہ پھر میں نے تھوڑے سے جو اور چقندر لے کر پکائے۔رسول ﷺ نے حضرت علیؓ سے فرمایا علی! یہ کھاؤ یہ تمہارے لئے مناسب کھانا ہے (شمائل ترمذی)۔

عربی کا مقولہ ہے تَغَدَّ تَمَدَّ تَعَشَّ تَمَشَّ۔دوپہر کا کھانا کھاؤ تو دراز ہو جاؤ اور رات کا کھانا کھاؤ تو چہل قدمی کرو۔ایسا کرنا اللہ کے رسول ﷺ کی سنت بھی ہے۔

صحت کے لئے دانتوں کی صفائی اور حفاظت بھی ضروری ہے۔دانت صاف نہ رکھنے سے طرح طرح کی بیماریاں ہونے کا ڈر ہے۔ایک بار اللہ کے رسول ﷺ سے ملنے کچھ اشخاص آئے ان کے دانت صاف نہ ہونے کی وجہ سے پیلے ہو رہے تھے۔آپ ﷺ کی نظر پڑی تو فرمایا

تمہارے دانت پیلے کیوں نظر آتے ہیں؟ مسواک کیا کرو(مسند احمد)۔

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا ''میں تم کو مسواک کے بارے میں بہت تاکید کر چکا ہوں صحت کے لئے جسم، لباس جگہ اور اطراف وجوانب کی صفائی ستھرائی بھی ضروری ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ کی حدیث ہے۔ صفائی ایمان کا آدھا حصہ ہے (بخاری)۔ اللہ کا فرمان ہے: ''اللہ تعالیٰ پاک وصاف رہنے والوں کو پسند فرماتا ہے'' (التوبہ:۱۰۸)۔

حضرت ابوہریرہؓ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''ہر مسلمان پر اللہ کا یہ حق ہے کہ ہر ہفتے میں ایک دن غسل کیا کرے اور اپنے سر اور بدن کو دھویا کرے'' (بخاری کتاب الطہارت)۔

آنکھوں کی حفاظت اور صفائی کا اہتمام رکھنے سے آنکھوں کی رونق اور روشنی دیر پا رہتی ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا تمہاری آنکھوں کا بھی تم پر حق ہے۔

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا ''آنکھوں میں سرمہ لگایا کرو۔ سرمہ آنکھ کے میل کو دور کرتا ہے اور بالوں کو اگاتا ہے (ترمذی)۔

صحت وزندگی کے تمام اصولوں پر عمل کرنا خواتین کے لئے نہایت ضروری ہے۔ عورتوں کو چاہئے کہ آرام طلبی عیش کوشی اور سستی سے پرہیز کرتی رہیں۔ صحابیات اپنے گھروں کے کام اپنے ہاتھ سے کرتی تھیں۔ اسلامی شریعت کے مطابق پسندیدہ بیوی گھر کے کام کاج میں مصروف رہتی ہے۔ اپنی گھریلو ذمہ داریوں کو خوش اسلوبی سے اور خوش مزاجی سے انجام دیتی ہے لیکن ان سب کے لئے جسمانی اور دماغی صحت نہایت ضروری ہے۔ بغیر اس کے یہ سب ہونا ممکن نہیں۔

بہت سی عورتیں خود ہی اپنی صحت کا خیال نہیں رکھتی ہر معاملہ میں اپنے آپ کو پیچھے رکھنے کی اس عادت کی وجہ سے جسم اور دل دماغ وقت سے پہلے کمزور ہوجاتے ہیں۔ اس کی وجہ سے ذہن الجھا رہتا ہے گھر کی اہم ذمہ داریاں اور بچوں کی مناسب پرورش اور تربیت بھی متاثر ہوتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ فَأْتُوا حَرْثَكُمْ اَنّٰى شِئْتُمْ وَقَدِّمُوا لِاَنْفُسِكُمْ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ مُّلٰقُوْهُ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ (البقرہ:۲۲۳)۔

''تمہاری عورتیں تمہاری کھیتی ہیں تو اپنی کھیتی میں جس طرح چاہو جاؤ اور اپنے لئے (نیک عمل) آگے بھیجو۔ اور اللہ سے ڈرتے رہو اور جان رکھو کہ تمہیں اس کے روبرو حاضر ہونا ہے اور ایمان والوں کو بشارت سنادو''۔

کسی بھی کھیتی میں اچھی پیداوار عمدہ فصل کی امید تبھی کی جاسکتی ہے جبکہ اچھے بیج کے ساتھ کھیتی میں اعلیٰ قسم کی کھاد پانی اور اہم اجزاء مٹی میں موجود ہوں اور باہری خطرات سے بھی محفوظ رکھا جائے۔ اچھے صحت مند بچوں قوم کے بہادر غازیوں اور مضبوط شہریوں کی امید بھی تبھی ممکن ہے جب کہ مائیں صحت مند ہوں۔ عمدہ غذا ان کو ملتی ہو۔ حد سے زیادہ محنت نہ کرنی پڑتی ہو۔ دل دماغ الجھنوں سے آزاد ہوں۔ ماں کی صحت کا اثر بچے پر ہر طرح پڑتا ہے، اس کے نشونما، مزاج وعادات زبان صلاحیتیں اور ذہن بھی متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے۔

عورت گھر کی زینت ہے، نسل کو آگے بڑھانے کا ذریعہ ہے، تصویر کائنات میں رنگ ہے یعنی رونق اس کے وجود سے ہے۔ کوشش کرنی چاہئے کہ یہ رنگ چوکھا، خوش رنگ رہے۔ تندرستی اچھی ہوگی تو گھر کی زیب وزینت بھی خوب تر ہوگی اور راحت وتسکین میسر ہوسکے گی۔ زندگی کی گاڑی کے دونوں پہیئے مضبوط ہوں گے تو گاڑی آسانی سے متوازن اور معتدل انداز میں چلتی رہے گی۔

کندھوں سے کندھے ملتے ہیں قدم مضبوط ہوتے ہیں
طاقت ورقدموں سے دشمن کے دل ہلتے ہیں

''کھیل وتفریح اور اسلام''

لفظ تفریح فرح سے ماخوذ ہے جس کے معنی خوشی کے ہیں۔ یعنی انسان کی وہ کیفیت، جس سے نفس کو فرحت وسکون اور انبساط وسرور حاصل ہو۔ یہ آدمی کی فطرت ہے کہ محنت ومشقت اور فرائض وذمہ داریاں پوری کرنے کے بعد دوبارہ جسم وجان کو کام کے لائق بنانے کے لئے آرام کے ساتھ دل ودماغ کو راحت دینے کے لئے کچھ خوش کن مواقع کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔

اسلام نے انسان کے لئے تفریحات کا خانہ بھی رکھا ہے۔ لیکن اسلامی شریعت کیونکہ دنیا کا بہترین اور کامیاب دستور حیات ہے اس وجہ سے اس سلسلے میں بھی انسان کو خودمختار نہیں چھوڑا۔ کھیل اور تفریح کے بھی اصول وضوابط ہیں۔ معاشرہ کے ہر فرد کا دھیان رکھتے ہوئے انفرادی اور اجتماعی مفاد اور اعلیٰ قدروں کا تحفظ کیا گیا ہے۔

ہر اچھا یا برا شغل، حرکات وسکنات انسان کے مزاج، فکر اور عمل پر اثر ڈالتا ہے۔ کبھی یہ اثر جلدی ظاہر ہوتا ہے کبھی دیر سے۔ غیر مسلموں نے بس اسی دنیا کو اپنے لئے سب کچھ سمجھ لیا ہے اس لئے ان کی تہذیب میں تفریحات کا تصور اسلام سے الگ ہے۔ تفریحات کا معیار بھی قوموں، تہذیبوں اور افراد کے عقیدوں اور خیالات کے مطابق ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے مومنین ومومنات کی ہدایت کے لئے ارشاد فرمایا:

لَا یَغُرَّنَّکَ تَقَلُّبُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا فِی الْبِلَادِ مَتَاعٌ قَلِیْلٌ ثُمَّ مَاْوٰھُمْ وَبِئْسَ

الْمِهَادُ (آل عمران:۱۹۷-۱۹۶)۔

''کافروں کا شہروں میں چلنا پھرنا تمہیں دھوکا نہ دے، یہ تھوڑا سا فائدہ ہے پھر تو ان کا ٹھکانا دوزخ ہے، اور وہ بری جگہ ہے''۔

اسلام کھیل اور تفریح کی مخالفت نہیں کرتا۔ البتہ وہ کھیل اور تفریحات اسلام کی نظر میں غلط ہیں۔ جو کلام الٰہی میں بتائے ہوئے اخلاق اور اللہ کے رسول کے بتائے ہوئے طرز حیات سے متصادم ہوں۔ وہ کھیل اور تفریحات منع ہیں جن سے انسان کا کردار بگڑتا ہو اور ان کی وجہ سے فرائض کی ادائیگی میں اور رشتوں کے حقوق ادا کرنے میں خلل واقع ہوتا ہو۔ یہ بات تو ہر عقل رکھنے والے کی سمجھ میں آتی ہے اگر اس کے ضمیر میں حیا اور جان باقی ہے۔

تفریح اور سرور بھی ذہن سوچ اور مزاج کے حساب سے ہی انسان کے دل کو ملتی ہے اور دماغ قبول کرتا ہے۔ مثلاً ناچ رنگ، عریاں قسم کی تصویریں، تھیٹر، جوا کھیلنے کا شوق، نشہ آور اشیاء کا استعمال اور اسی طرح کے دوسرے مشاغل ہر ایک کے لئے تفریح کا باعث اور سرور حاصل کرنے کا ذریعہ نہیں بن سکتے۔

پاکیزہ خیالات اور اچھے اسلامی اخلاق کے حامل اشخاص کو تو ان قسم کی تفریحات اور کھیلوں کے نام سے ہی کراہیت ہونے لگتی ہے۔ شریعت اسلام کے زیر سایہ نشو نما پانے والے ذہنوں میں اور ان کے اعمال میں اسلام کا رنگ چڑھ جاتا ہے۔ اس کے اثر سے وہ بے جا اور خراب کن تفریحات سے فرحت محسوس نہیں کر سکتے بلکہ ان کو ایسے مواقع اور مقاموں سے گھٹن اور بیزاری ہوتی ہے۔

جن حرکات و سکنات اور تفریحات کا اثر نسل انسانی کے ذہنوں کو خراب کرتا ہے اسلام چاہتا ہے کہ مومنین اور مومنات ان سے بچے رہیں۔

اسلام ایسے کھیلوں سے منع نہیں کرتا جن سے بہادری کا ہنر سیکھنے کا موقع ملتا ہے اور خوشی کے وہ ذرائع بھی منع نہیں ہیں جن سے مسلم و مسلمات کے ذہن اچھے رجحان سے مزین ہوں یعنی

جائز تفریحات اور کھیل کود کی اجازت ہے۔

عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے دنوں میں خوشی اور مسرت کا اظہار، مل جل کر کھانا، اچھے کھانے پکانا اور اچھے کپڑے اپنی حیثیت کے مطابق پہننا، خوشبو لگانا پسندیدہ ہے۔ بچے بھی جائز قسم کی تفریح اور کھیلوں سے دل بہلائیں اور اسی کے ساتھ اللہ کو اور اپنی حقیقت کو نہ بھولیں۔

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ عید کا دن تھا کچھ لڑکیاں جنگ بعاث سے متعلق اشعار گا رہی تھیں اسی دوران حضرت ابو بکر تشریف لے آئے بولے اللہ کے رسول ﷺ کے گھر میں یہ گانا بجانا۔ نبی ﷺ نے فرمایا ابو بکر رہنے دو، ہر قوم کے لئے تیوہار کا ایک دن ہوتا ہے اور آج ہماری عید کا دن ہے (بخاری)۔

ایک بار کا واقعہ ہے عید کا دن تھا کچھ حبشی فوجی کرتب دکھا رہے تھے۔ اللہ کے رسول ﷺ نے یہ کرتب خود بھی دیکھے اور حضرت عائشہ صدیقہؓ کو بھی اپنی آڑ میں لے کر دکھائے اور ان بازی گروں کو شاباشی بھی دیتے جاتے تھے۔ جب ام المومنین حضرت عائشہؓ تھک گئیں تو آپ نے فرمایا اچھا جاؤ (بخاری)۔

زندگی کے معاملات طے کرتے رہنیں اور دوسری مصروفیات کی وجہ سے اکثر سنجیدگی طاری ہو جاتی ہے۔ اس کا علاج باذوق بے ضرر اور پر مزاح گفتگو ہے اس سے طبیعت تازہ دم ہو جاتی ہے۔

اللہ کے رسول ﷺ نے بھی پر مزاح گفتگو فرمائی ہے اس سے متعلق کئی واقعات ہیں:

ایک بار ایک ضعیف خاتون حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ عرض کیا آپ دعا کیجئے کہ میں جنت میں جاؤں آپ نے فرمایا بڑھیاں جنت میں نہیں جائیں گی، وہ عورت افسردہ خاطر ہونے لگی، اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا جنت میں سب جوان ہو کر جائیں گے، (بحالت پیری نہ ہوں گے) وہ عورت خوش ہو گئی اور سب خوشی سے مسکرانے لگے۔

اسی طرح کا ایک اور واقعہ ہے کہ ایک عورت کا بچہ کھو گیا تھا وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس

حاضر ہوئی مقصد بیان کیا آپ نے فرمایا وہ جس کی آنکھ میں سفیدی ہے وہ بولی نہیں اللہ کے رسول ﷺ اس کی آنکھیں بالکل ٹھیک ہیں۔ اس کی آنکھ میں سفیدی نہیں ہے، آپ نے فرمایا سفیدی (پتلی کے چاروں طرف) تو سب کی آنکھ میں ہوتی ہے، عورت مسکرانے لگی اللہ کی رحمت اور آپ کے فیض سے بچہ بھی مل گیا۔

ایک دفعہ کسی نے آپ ﷺ سے سواری کے لئے اونٹ مانگا آپ نے فرمایا اونٹ / اونٹنی کا بچہ ہے اس نے عرض کیا یا رسول اللہ اونٹنی کے بچے کا کیا کروں گا آپ نے فرمایا ہر اونٹ اونٹنی کا بچہ ہے، اس طرح کی گفتگو سے سوالی اور دوسرے سامعین کے چہرے تبسم سے کھل اٹھتے تھے، ماحول خوشگوار ہوتا رہتا تھا (ماخوذ از شمائل ترمذی، باب ماجاء فی مزاح رسول اللہ ﷺ)۔

ہم سب بھی اپنی آپسی گفتگو اور محفلوں میں اس طرح کی پرلطف باتوں سے گھر اور مجلس دونوں کو تناؤ سے بچانے کی کوشش کر سکتے ہیں، رونق خوشی بکھیر سکتے ہیں اور بانٹ سکتے ہیں مگر ہماری گفتگو کسی کو اپنا ہدف ملامت نہ بنائے، صاف سچی اور پر مزاح ہو۔

مومن پر خوشی کا ردعمل ایسا نہیں ہونا چاہئے جو اسلامی مزاج کے خلاف ہو۔ خوشی میں فخر وغرور کو پاس نہ آنے دیں اللہ کا شکر ادا کریں۔

وَلَا تَفْرَحُوْا بِمَآ اٰتٰكُمْ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ (الحدید:۲۳)۔

''اور جو کچھ اللہ نے تم کو دیا ہے اس پر اترانے مت لگو۔ اللہ اترانے والے اور بڑائی جتانے والے کو ناپسند کرتا ہے''۔

شادی یعنی نکاح کے موقع پر بھی اللہ کے رسول ﷺ نے اچھے شائستہ گیت گانے اور دف بجانے کی اجازت دی ہے۔

حضرت عائشہؓ نے اپنے رشتے کی ایک خاتون کا نکاح کسی انصاری صحابی سے کیا۔ جب اس کو رخصت کیا تو نبی ﷺ نے فرمایا ''لوگوں نے ان کے ساتھ کوئی لونڈی کیوں نہیں بھیجی جو دف بجاتی اور کچھ گاتی'' (بخاری)

قرآن کریم میں بھی کھیلنے اور تفریح کرنے کی اجازت نظر آتی ہے جبکہ حضرت یعقوب کے بیٹوں نے اجازت مانگی ان سے کہ اپنے بھائی یوسف کو بھی ساتھ لے جائیں تاکہ وہ بھی ان کے ساتھ سیر و تفریح کریں۔

اَرسِلْهُ مَعَنَا غَدًا یَّرْتَعْ وَیَلْعَبْ وَاِنَّا لَهٗ لَنٰصِحُوْنَ (یوسف:۱۲)

''کل اسی کو ہمارے ساتھ بھیج دو تاکہ خوب کھائے اور کھیلے اور ہم اس کے نگہبان ہیں۔

اس آیت میں حضرت یعقوبؑ سے کھیلنے کودنے آزادی سے کھانے اور سیر و تفریح کی اجازت مانگی گئی ہے۔ حضرت یعقوب نے ان کو اس کی کوئی ممانعت نہیں فرمائی۔ اس سے معلوم ہوا کہ سیر و تفریح کھیل کود جائز حدود کے اندر مباح ہیں۔

علامہ ابن عربی نے احکام القرآن میں فرمایا کہ باہمی مسابقت (دوڑ) شریعت میں مشروع اور اچھی خصلت ہے جو جنگ و جہاد میں کام آتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ سے بنفس نفیس خود بھی مسابقت کرنا احادیث صحیحہ میں ثابت ہے، اور گھوڑوں کی مسابقت کرانا بھی ثابت ہے۔ حضرت سلمہؓ بن اکوع نے ایک شخص کے ساتھ دوڑ میں مسابقت کی تو حضرت سلمہ غالب آئے (معارف القرآن)۔

روایات سے ثابت ہے کہ تیراندازی کے نشانے وغیرہ میں بھی باہمی مقابلہ جائز ہے۔ کشتی کا مقابلہ خود حضور ﷺ کے سامنے ہوا حضرت رافع بن خدیج اور حضرت سمرہؓ نے بیچ جنگ بدر میں شرکت کے لئے (سیرت النبی ﷺ)۔

اس طرح کے مقابلوں میں جیتنے والے کو ہمت افزائی کے لئے انعام دینا بھی جائز ہے۔ لیکن آپس میں ہار جیت کی کوئی رقم بطور شرط رکھنا جوا ہے یعنی سٹہ لگانا جائز نہیں ہے۔

تفریح، دل لگا رہنے اور وقت گزاری کے لئے لوگ اکثر کتابوں کا سہارا لیتے ہیں۔ ادب انسان کے جذبات اور قدروں کو سنوارنے اور بگاڑنے کا بڑا موثر ذریعہ ہے۔ اس کا اثر پڑھنے والوں پر، نئی نسلوں پر بلکہ پورے معاشرہ پر پڑتا ہے۔

بہت سے اشخاص ذہن، اخلاق اور مزاج کو خراب کرنے والے افسانے، ناول، کہانیاں اور دوسری کتب پڑھتے ہیں اور لطف اندوز ہوتے ہیں۔قرآن کریم میں ایسے ادب کو پڑھنے سے منع فرمایا گیا ہے۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَشْتَرِىْ لَهْوَالْحَدِيْثِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّ يَتَّخِذَهَاهُزُوًا اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ (لقمٰن:٦)

''اورلوگوں میں بعض ایسا ہے جو بیہودہ حکایتیں خریدتا ہے تاکہ (لوگوں کو) بے سمجھے اللہ کے راستے سے گمراہ کرے اوراس سے استہزاء کرے یہی لوگ ہیں جن کو ذلیل کرنے والا عذاب ہوگا''۔

ہمارے ہندوستان کے ٹی وی سیریلس فلمیں وغیرہ اور دوسرے ممالک کے بھی زندہ چلتے پھرتے لوگوں کے واقعات اور بلو فلمس وغیرہ یہ وہ ادب ہے جو بچوں اور نوجوانوں کے دل و دماغ کو تیز زہر کی لگاتار ہلکی خوراک پہنچا رہا ہے۔دھیرے دھیرے یہ زہریلا ادب انسانیت کو تباہ کررہا ہے۔بعض لوگوں پر ایسا اثر ہوتا ہے کہ جنگلی بن جاتے ہیں بہت سی جگہوں پر انسانی شکل کے بدنما درندے گھوم رہے ہیں۔

مومنین اور مومنات کو چاہئے کہ جدید ذرائع ابلاغ سے بقدر ضرورت فائدہ اٹھائیں اور معاشرے میں حقائق کی صحیح نمائندگی کرنے کی کوشش کریں۔مسلم خواتین کے لئے ضروری ہے کہ وہ اچھی روح پرور کتب کا مطالعہ کیا کریں تاکہ دین اسلام کا ذوق پیدا ہو اور معلومات عامہ بھی حاصل ہوسکے ماں کا ذہن اور نفس نکھرا نکھرا صاف ستھرا ہونے سے ابھرتی نسل کی باریابی عمدہ طور پر ہوتی ہے۔

اسلام کا ہر اصول انسان کی روح، عقل شعور جسم اور نفس کو بیدار اور فعال رکھنے میں مدد کرتا ہے۔

''مٹی کی مہک''

راستہ میں ایک بستی سے گذر میرا ہوا
پاس میں چوپال تھی قندیل تھا لٹکا ہوا
گھاس کے تنکوں سے چھن کر روشنی آتی ہوئی
اس سبب سے راہ پر تھا نور سا بکھرا ہوا
دھندلکوں کے پار منزل کے نشاں کو دیکھ کر
ہر مسافر کی امیدوں پر نکھار آتا ہوا
کھلکھلاتے کھیلتے کچھ روتے بچوں کا ہجوم
زندگی کے آپسی رشتوں میں ربط آتا ہوا
کتنے خوش تھے یہ سبھی اس سادگی کے طرز میں
شادیانے بج رہے تھے کھیت تھا پکا ہوا
ہلکی بارش اور مٹی کی مہک دل لے گئی
لہلہاتے پیڑ تھے اور باغ تھا مہکا ہوا
کیریوں پر کوکتی کوئل کی وہ میٹھی صدا
تھی دھوئیں اور شور سے بالکل مصفیٰ یہ ہوا
چلتے چلتے سوچتے رخ شہر کی جانب ہوا
اور یہاں کے اونچے محلوں سے گذر میرا ہوا
راستہ تھا پر خطر زندگی مصروف تھی

اس گھنی سی بھیڑ میں انسان تھا دوڑا ہوا

راہ چلتوں پاس والوں کی نہ تھی ان کو خبر
یاں دھویں اور شور سے سانس تھا گھٹتا ہوا

صرف اپنے دائرے میں تیرتی تھی ان کی سوچ
آپسی رشتوں کا بے دردی سے پھر سودا ہوا

بھوک سے اور پیاس سے بوڑھے تھے گھبرائے ہوئے
نونہال ہند تو بس فکر میں آدھا ہوا

اس نے گلزار وطن رنگین فضا دیکھے نہیں
وہ مصفیٰ پانی اور روٹی سے ہے ترسا ہوا

قیصر حبیب ھاشمی

اسلام اور تصویر کائنات میں رنگ

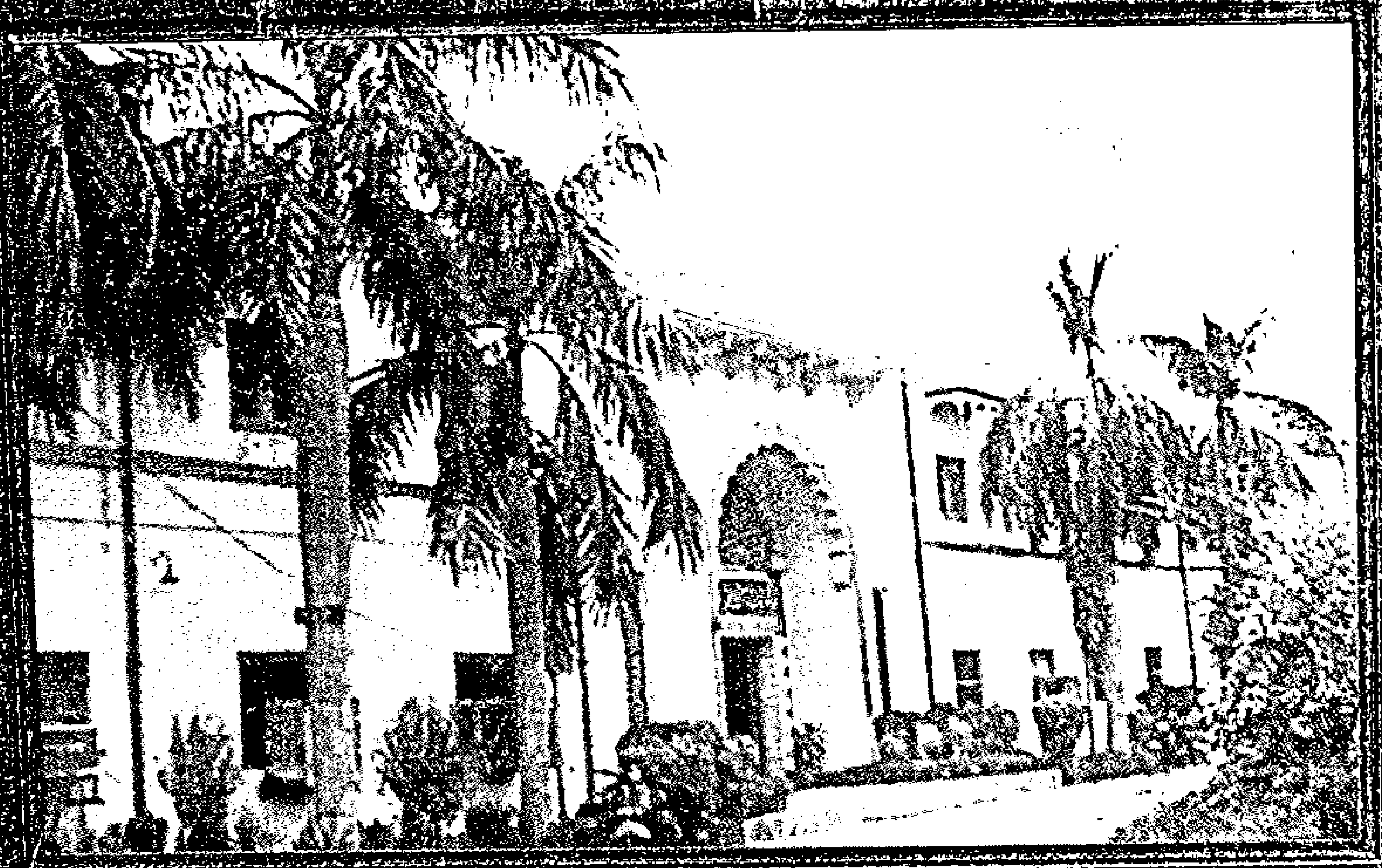

ویمنس کالج، اے-ایم-یو

مصنف

ڈاکٹر قیصر حبیب ہاشمی

ریڈر شعبۂ دینیات، ویمنس کالج

علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ، یوپی